وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ وفاق المدارس ملتان

جلد نمبر: ۲۳ شمارہ نمبر: ۳ ربیع الاوّل ۱۴۴۷ھ ستمبر ۲۰۲۵ء

بیاد

شمس العلماء
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء
حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین
حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین
حضرت مولانا عبد الرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم
سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 061-6514525-6514526-27 فیکس نمبر 061-6539485
Email:wifaqulmadaris@gmial.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ◉ مطبع: اقرا اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی لوہاری گیٹ ملتان
شائع کردہ مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

ابراہیمی معاہدہ: پس پردہ حقائق اور نتائج	شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ	۳
یوم استقلال: شراب کی اجازت اور مسجد کی شہادت	شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ	۱۶
سانحہ خوازہ خیلہ	شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم	۲۱
اُسوۂ حسنہ کی جامعیت	حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صفدر نور اللہ مرقدہ	۲۴
عشقِ رسول: اہمیت - آداب - تقاضے	مولانا سفیان علی فاروقی	۳۰
خلاصۂ تصوّف	مولانا یحییٰ نعمانی	۳۵
فوائد و فرائد	مولانا بدر الحسن القاسمی	۴۱
آیئے مدارس کو تربیتی پہلو سے سنواریں	مولانا محمد طاہر سورتی	۴۸
استاذ کے ادب پر سلف صالحین کی نگارشات	مولانا عصمت اللہ نظامانی	۵۲
سوات واقعہ: لمحۂ فکریہ، احتساب اور اصلاح کی حکمتِ عملی	مولانا مفتی سراج الحسن	۵۹
وقف املاک قانون: مسجدوں کی دیواروں پر ریاستی دستک	نعیم اشرف	۶۱
تبصرہ کتب	محمد احمد حافظ	۶۳

﴿نوٹ: مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں﴾

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر۔ سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر۔ ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر۔

اندرون ملک قیمت: فی شمارہ: 40 روپے، زر سالانہ مع ڈاک خرچ: 540 روپے

ابراہیمی معاہدہ: پس پردہ حقائق اورنتائج

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور درود وسلام اس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ صاحب آج کل "ابراہیمی معاہدہ" (Abrahamic Accords) کے نام سے ایک معاہدے کی زور وشور سے تبلیغ فرما رہے ہیں، جس کا اصل مطلب تو یہ تھا کہ مسلمان، یہودی اور عیسائی، تینوں چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا مقتدا مانتے ہیں، اس لئے ان کے درمیان باہمی تعاون ہونا چاہیے، لیکن آج کل یہ اصطلاح صرف ایک نقطے پر مرکوز ہے، اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اور عرب حکومتیں اسرائیل کو تسلیم کر کے اس کے ساتھ معمول کے تعلقات قائم کریں اور مشرق میں ابھرتی ہوئی سیاسی طاقت "چین" کے مقابلے میں امریکی بلاک کو مستحکم کر کے مسلمان اور عرب حکومتوں کو امریکہ کے حریف کے مدّمقابل لا کھڑا کریں۔ چنانچہ اس معاہدے کے تحت متحدہ عرب امارات اور بحرین نے پہل کر کے اسرائیل کو نہ صرف تسلیم کیا، بلکہ اس کے تحت متعدد میدانوں میں دوستانہ تعلقات قائم کر لیے جن میں انٹیلی جنس کی معلومات کا تبادلہ بھی شامل ہے۔

یہ تو "ابراہیمی معاہدہ" کا آخری نتیجہ اور اس کا سیاسی پہلو ہے، لیکن اس نتیجے تک پہنچنے کے لئے مدت سے زمین ہموار کی جارہی ہے، چنانچہ مدت سے علمی سطح پر یہ کوشش ہوتی رہی ہے کہ مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کو ایک دوسرے کے قریب لایا جائے۔ اگر یہ کوشش اس مقصد سے ہوتی کہ کسی بھی معاشرے میں جب ان تینوں مذاہب کے پیروکار موجود ہوں، تو وہ امن وامان کے ساتھ رہیں، اور مذہب کی بنیاد پر ایک دوسرے کے جان ومال پر حملے نہ کریں، تو اس حد تک بات کچھ غلط نہ ہوتی۔ لیکن اس کوشش کے دوران رفتہ رفتہ یہ تأثر دیا گیا کہ یہ تینوں مذاہب چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا مقتدا مانتے ہیں، اس لیے یہ ایک ہی خاندان کے افراد ہیں۔ اس کے لئے ایک تو یہ اصول اپنانے کی کوشش کی گئی کہ اگر کسی ریاست میں متعدد مذاہب کے لوگ آباد ہیں، تو وہ اُس ریاست کے

شہری ہونے کے ناطے ''امّتِ واحدہ'' ہیں۔

دوسرے ان تینوں مذاہب کے لئے''ابراہیمی خاندان'' کی اصطلاح ایجاد کی گئی کہ مسلمان، یہودی اور نصرانی سب ایک ہی خاندان کے افراد ہیں، اور سب ابراہیم علیہ السلام کے پیرو ہیں، جس کا بالآخر نتیجہ یہ نکلنا تھا کہ ان مذاہب میں حق و باطل کا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ یہ سب حضرات ابراہیم علیہ السلام کے پیرو ہونے کی وجہ سے ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو مذہب کی بنیاد پر اپنے سے الگ سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس کا آخری نتیجہ یہی تھا کہ سارے ادیان برحق ہیں، اور ان میں سے کوئی بھی نجات اخروی کے لئے لازمی نہیں ہے، یعنی وہی بات جو''توحید ادیان'' کا عقیدہ رکھنے والے کہا کرتے ہیں۔ اور اب تو''ابراہیمی معاہدہ'' اور ''اسرائیل کو جائز ریاست تسلیم کرکے اس سے تعلقات استوار کرنا'' دونوں ہم معنیٰ لفظ بن چکے ہیں۔

بعض اوقات بات چھوٹی سی یا دیکھنے میں معمولی ہوتی ہے، لیکن اس کے عواقب ونتائج بہت دور تک پہنچتے ہیں۔ عالم اسلام کی ایک نہایت قابلِ احترام اور بزرگ شخصیت حضرت شیخ عبداللہ بن محفوظ بن بیّہ مدظلہم العالی اصلاً موریطانیہ سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے وہاں کے مشائخ سے بڑا وسیع وعمیق علم حاصل کیا، اور اپنی فقہی بصیرت اور تبحر علمی کے اعتبار سے دنیا کے گنے چنے علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ میرا ان سے نیازمندانہ تعلق اس وقت سے ہے جب سے وہ مجمع الفقہ الاسلامی میں بطور رکن تشریف لاتے تھے، اور میں ان کے تبحر علمی سے استفادہ بھی کرتا تھا، اور بعض مسائل میں باہمی مذاکرہ اور خط وکتابت کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ اس وقت وہ ایک خالص علمی شخصیت کے طور پر جانے جاتے تھے جن کا عملی سیاست سے کوئی قابل ذکر تعلق نہیں تھا۔

ایک عرصے کے بعد انہوں نے عالمی سطح پر ایک علمی ادارہ قائم کیا جو''تعزیر السّلم''، یعنی''امن کے فروغ'' کے نام سے قائم کیا گیا تھا۔ اس وقت مختلف مسلمان ممالک میں''نفاذ شریعت'' کے نام پر مسلح بغاوتوں کا دور دورہ تھا۔ اور اس کی وجہ سے بہت سے بے گناہ مسلمانوں کا ناحق خون بہہ رہا تھا۔ اس لئے اس ماحول میں''امن کے فروغ'' کی بات فی الجملہ ایک مستحسن بات تھی، اس مقصد کے تحت شیخ عبداللہ بن بیّہ حفظہ اللہ تعالی نے کئی عالمی کانفرنسیں منعقد کیں جن میں راقم الحروف اور میرے برادر معظم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک ہوئے، ایک ایسی ہی کانفرنس میں راقم الحروف نے اپنی تقریر میں اس طرف بھی متوجہ کرنے کی کوشش کی کہ جو لوگ مسلمان حکومتوں کے خلاف مسلح کارروائیاں کررہے ہیں، اور ان کی وجہ سے بدامنی کے فتنے پیدا ہورہے ہیں، اس کے جواب میں صرف کانفرنسیں منعقد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ ایک طرف مسلمان ملکوں میں جو کام کھلم کھلا شریعت کے خلاف ہورہے ہیں، ایک تو ان پر روک عائد کی جائے، تاکہ یہ مسلح بغاوتیں اس صورتِ

حال کو اپنی کارروائیوں کا جواز بنا کر پیش نہ کر سکیں۔ دوسری طرف جو لوگ نادانی اور خلوص کے ساتھ ان تحریکوں کے ساتھ ہوئے ہیں، ان تک اس سلسلے میں قرآن وسنت کے صحیح احکام پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

بہرحال! اس موضوع پر متعدد کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ پھر ایک کانفرنس مراکش کے شہر میں بلائی گئی، جس کا موضوع یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں یہودیوں کے ساتھ جو معاہدہ فرمایا تھا اور جو "میثاق مدینہ" کے نام سے معروف ہے، مسلمان اس طرز کا ایک معاہدہ غیر مسلم شہریوں کے ساتھ کریں۔

جب بندہ اس کانفرنس میں شرکت کے لئے پہنچا اور "تعزیز السلم" (فروغ امن) کے ادارے کے ایک ذمہ دار جب استقبال کرنے کے لئے تشریف لائے تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ "میثاق مدینہ" میں ایک جملہ ایسا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں بسنے والے مسلمان اور یہودی دونوں ایک ہی "امت" ہیں، اس لئے اس کانفرنس کا مقصود یہ ہے کہ ہر مسلمان ملک میں اس تصوّر کو فروغ دیا جائے کہ مسلمان اور غیر مسلم دونوں ایک ملک کے باشندے ہونے کی بنا پر ایک ہی "امت" ہیں۔ یہ بات سن کر بندہ کے دل میں کچھ شبہ پیدا ہوا، اور میں نے "میثاقِ مدینہ" کا غور سے مطالعہ کیا، اور اس نتیجے پر پہنچا کہ "میثاقِ مدینہ" کی عبارت سے مسلمان اور غیر مسلم دونوں کے ایک امت ہونے پر استدلال درست نہیں ہے۔

چنانچہ کانفرنس شروع ہونے سے پہلے میں شیخ عبداللہ بن بیّہ حفظہ اللہ تعالیٰ سے تنہائی میں ملا، اور ان سے عرض کیا کہ فلاں صاحب نے مجھ سے یہ بات کہی ہے، حالانکہ "میثاق مدینہ" میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ مسلمان اور یہودی مل کر "امت واحدہ" ہیں۔ میں نے "میثاق مدینہ" کی متعلقہ عبارت دِکھا کر ان سے عرض کیا کہ یہ بات اس سے نہیں نکلتی۔ حضرت شیخ حفظہ اللہ نے مجھ سے اتفاق فرمایا اور کہا کہ واقعی یہ بات درست ہے۔

اس کے بعد جب کانفرنس کی نشستیں شروع ہوئیں، اور بعض تقریروں میں یہ بات آئی کہ ایک ملک کے باشندے خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، سب مل کر ایک "امت" ہیں اور یہ میثاق مدینہ کا تقاضا ہے۔ تو ان پر تنقید کرتے ہوئے میں نے کھڑے ہو کر "هذه امتكم امة واحدة" اور دوسری قرآنی آیات کے حوالے سے عرض کیا کہ یہ قرآنی اصطلاح ایک دین کے پیروؤں کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اور اسے ایک قومی حکومت (National State) کے لیے استعمال کرنے سے کئی معاملات میں خلطِ مبحث لازم آئے گا، اس لیے اس سے پرہیز ہی کرنا چاہیے۔ لیکن جب کانفرنس کا اختتامی اجلاس ہوا جس میں "اعلان مراکش" کا اعلان ہونا تھا، اس وقت حضرت شیخ عبداللہ بن بیّہ حفظہ اللہ تعالی میری نشست کے پاس سے گزرتے ہوئے کچھ دیر رُکے اور مجھ سے فرمایا کہ "میثاقِ مدینہ" کی جس عبارت پر میری آپ سے بات ہوئی تھی، اس پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس سے قومی حکومت کے

''امۃ واحدۃ'' ہونے کا تصور نکل رہا ہے، اور یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اُس وقت وہ اتنی جلدی میں تھے کہ بات آگے بڑھانے کا موقع نہیں تھا، اور ''اعلان مراکش'' پڑھ کر سنا دیا گیا اور اس کے بعد کسی کی تقریر کا کوئی موقع نہیں تھا۔ جب وہ اعلان بعد میں میرے پاس دستخط کے لئے آیا تو میں نے اس پر اپنی تقریروں سے مشروط دستخط کئے، اور اس طرح اس پر اختلافی نوٹ کا اشارہ دیا۔

اس کے بعد شیخ نے ایک اور کانفرنس بلائی اور اس میں ایک نئی اصطلاح کا تعارف کرایا گیا۔ وہ تھی ''ابراہیمی خاندان'' کی اصطلاح۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ کسی ایک ملک میں مسلمان، عیسائی، یہودی اگر امن وامان کے معاہدے کے ساتھ رہیں تو اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں ہے۔ لیکن ان کو ''ابراہیمی خاندان'' سے تعبیر کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ سب واقعۃً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار ہیں، اور جو نسبت ابراہیم علیہ السلام سے مسلمانوں کو ہے، یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی وہی نسبت ہے۔ حالانکہ قرآن کریم کے مطابق یہودی اور عیسائی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف کو چھوڑ چکے، اور اب ان کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کوئی حقیقی تعلق نہیں رہا، قرآنی آیات کریمہ اس پر صریح ہیں، اس کے باوجود ان تینوں مذاہب کے پیشواؤں کو کانفرنس میں جمع کر کے انہیں ابراہیمی خاندان کہا گیا اور کانفرنس میں ہر ایک کی عبادت گاہ الگ بنائی گئی۔

اس موقع پر میں نے ضروری سمجھا کہ میں اس اصطلاح میں چھپے ہوئے مقاصد سے شیخ عبداللہ بن بیّہ حفظہ اللہ کو آگاہ کرنے کی کوشش کروں۔ مجھے ان کی حسن نیت پر شبہ نہیں تھا، لیکن میں سمجھتا تھا کہ بعض ناعاقبت اندیش لوگ ان کے ساتھ لگ کر انہیں اصطلاحات کے پھیر میں الجھا رہے ہیں، پھر ان سے کوئی اور مقاصد حاصل کریں گے، چنانچہ اس موقع پر میں نے انہیں ادب کے ساتھ ایک خط لکھا، اب تک میں نے وہ خط انہیں شائع نہیں کیا کیونکہ یہ ایک نجی خط تھا، لیکن اب جبکہ ''ابراہیمی خاندان'' کی اصطلاح کے نتیجے میں امریکہ کے زیر اہتمام ۲۰۲۰ء میں امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے کئی مسلمان حکومتوں کو ''ابراہیمی معاہدہ'' میں شامل کر لیا جن میں متحدہ عرب امارات اور بحرین سر فہرست تھے، اور اس معاہدے کا جزوِ اعظم یہ تھا کہ فلسطین کو تسلیم کیا جائے یا نہ کیا جائے، اسرائیل کو تسلیم کر لیا جائے، اور اس کے ساتھ مختلف شعبوں میں تعاون اور اس کے ساتھ کام کرنے کے معاہدات کر لیے جائیں، اس وقت واضح ہوا کہ اس موضوع پر سیاسی کام جو کچھ بھی ہوا ہو، اس کو علمی امداد ان کانفرنسوں نے پہنچائی جن میں لوگوں کے ذہن کو قریب لانے کے لیے ''ایک امت'' اور ''ابراہیمی خاندان'' کی اصطلاحات قائم کر کے اس کی راہ ہموار کی گئی۔ اس لیے میں اب مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنا وہ خط شائع کر دوں جو میں نے اس خطرے کے پیش نظر عبداللہ بن بیّہ حفظہ اللہ کو بھیجا تھا لیکن اس

کا کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ ذیل میں وہ خط پیش خدمت ہے: [1]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على رسوله الكريم وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى كلّ من تبعهم بإحسان إلى يوم الدّين.

سماحة العلاّمة المحقق الدّاعية الكبير الشّيخ عبدالله بن بيّة حفظه الله تعالى وأبقاه ذخرا للإسلام والمسلمين

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے آپ کی پُرشفقت رفاقت اور عزت افزائی سے نوازا، جو مجھے آپ کی جانب سے ہر ملاقات میں حاصل ہوئی، خصوصاً جب سے میں نے آپ کو پہلی بار بین الاقوامی فقہ اکیڈمی کی نشستوں میں پایا، پھر مختلف علمی مجالس، سیمینارز اور خاص طور پر ''**تعزيز السِّلم**'' (فروغِ امن وسلامتی) کی کانفرنسوں میں، جن میں شرکت کی دعوت دے کر آپ نے مجھے عزت بخشی۔

میں آپ کی ان کوششوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں جو آپ ظلم، جبر، جنگوں اور دہشت گردی سے بھری ہوئی اِس دنیا میں امن کے قیام اور اُس کے فروغ کے لیے انجام دے رہے ہیں اور جس کے لئے آپ عمر کے اس حصہ میں بھی کوشاں ہیں، جب عام آدمی راحت اور سکون کا متلاشی ہوتا ہے۔ **فجزاكم الله احسن الجزاء**

اس میں کوئی شک نہیں کہ قیام امن کے جس کام کے لئے آپ کوشاں ہوں، وہ ایک عظیم مقصد اور نہایت بلند ہدف ہے۔ تاہم، کچھ باتیں ایسی ہیں جو عرصے سے میرے دل میں کھٹک رہی تھیں، جنہیں کئی بار آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ کیا، لیکن یہ سوچ کر رک گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں لقمان کو حکمت سکھانے کی جسارت کر بیٹھوں یا ''**مبضع تمر إلى هجر**'' (''ہجر'' کو کھجور بھیجنے والی بات کا مصداق) بن جاؤں۔ مگر آج میں نے حسنِ نیت اور آپ کی شفقت وکرم نوازی پر اعتماد کرتے ہوئے، ان خیالات کو آپ کے سامنے رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

پہلی بات:

یہ حقیقت ہے کہ جو جنگیں اور دہشت گردی کی تحریکیں آج دنیا کو لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں، اُن پر صرف

[1]) یہ اصل عربی خط کا اردو ترجمہ ہے۔ اصل خط سہ ماہی البلاغ عربی (کراچی) کے آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

کانفرنسوں اورسمیناروں کے فیصلے کوئی خاص اثرنہیں ڈالتے، خاص طور پر ایسے وقت میں جب مسلمان فلسطین، کشمیر، بھارت، عراق، شام، برما، یمن اور دنیا کے دیگر حصوں میں بدترین مظالم اور انتقامی کارروائیوں کا شکار ہو رہے ہیں۔

اگر آج ان کانفرنسوں پر ہونے والے اخراجات کو باہمی مسلم مصالحت، مظلوموں کی مدد اور بے سہارا انسانوں (خواہ کسی بھی مذہب سے ہوں) کی دادرسی پر صرف کیا جائے، یا اُن بنیادی وجوہات کے خاتمے پر لگایا جائے جن کی وجہ سے دنیا میں پرتشدد تحریکیں پیدا ہوئیں، تو اس سے نسبتاً زیادہ مفید اور مؤثر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

دوسری بات:

اس میں شک نہیں کہ یہ کانفرنسیں کم از کم نظری اور عملی سطح پر مفید ضرور ہیں۔ لیکن اگر ان کا مجموعی رخ دیکھا جائے، تو اکثر ان کا لب ولہجہ ایسا ہوتا ہے جیسے یہ مسلمانوں پر دہشتگردی اور عدم برداشت کے الزام لگانے والوں کے مقابلے میں، اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے ایک دفاعی موقف اختیار کر رہی ہوں، گویا دنیا میں صرف مسلمان ہی ہیں جو انسانی خاندان کے درمیان عدمِ برداشت اور تشدد کے بیج بوتے ہیں، اور انہی کی وجہ سے جنگیں بھڑکتی ہیں اور دہشت گردی کی تحریکات جنم لیتی ہیں۔

ہم دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے سامنے یہ ثابت کرنے میں لگے ہیں کہ ہم ایسے نہیں ہیں، بریٔ الذمہ ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آج کی دنیا میں سب سے زیادہ مظلوم، تشدد زدہ اور تعصب کا نشانہ بننے والی قوم مسلمان ہے۔

اس کے باوجود ہماری کانفرنسوں کی موضوعاتی ترجیحات میں زیادہ زور غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ رواداری اور ان کے حقوق کی بحالی پر رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اسلامی دنیا میں کوئی غیر مسلم اقلیت ایسی ہے جسے اجتماعی طور پر ویسا ظلم وستم برداشت کرنا پڑتا ہو جیسا مسلمانوں کو روزانہ فلسطین، کشمیر، برما اور بھارت میں سہنا پڑتا ہے؟

کیا ان مظلوم مسلمانوں کے درمیان امن کا قیام زیادہ اہم ترجیح نہیں ہونا چاہیے؟

تیسری بات:

مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان پرامن بقائے باہمی ایک اہم ضرورت ہے، اور ہمیں اس پر زور دینا چاہیے۔

لیکن کیا اس مقصد کے لیے ایسے الفاظ اور اصطلاحات اختیار کرنا ضروری ہے جو اس تأثر کو جنم دیں کہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، سب ''ایک ہی قوم'' (امت واحدہ) ہیں، جیسا کہ ''مراکش'' کے غیر مسلم اقلیات سے متعلق منعقدہ

کانفرنس میں یہ رویہ اختیار کیا گیا۔ حالانکہ قرآن کریم نے مسلمانوں کو کفار سے الگ مستقل امت قرار دیا ہے، ارشادخداوندی ہے:

۱) إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ (الأنبياء ۹۲)

ترجمہ: (لوگو) یقین رکھو کہ یہ (دین جس کی یہ تمام انبیاء دعوت دیتے رہے ہیں) تمہارا دین ہے جو ایک ہی دین ہے، اور میں تمہارا پروردگار ہوں۔ لہٰذا تم میری عبادت کرو۔

۲) وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ (المؤمنون: ۵۲)

ترجمہ: اور حقیقت یہ ہے کہ یہی تمہارا دین ہے (سب کے لئے) ایک ہی دین، اور میں تمہارا پروردگار ہوں، اس لئے دل میں (صرف) میرا رعب رکھو۔

۳) وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ (یونس: ۱۹)

ترجمہ: اور (شروع میں) تمام انسان کسی اور دین کے نہیں صرف ایک ہی دین کے قائل تھے، پھر بعد میں وہ آپس میں اختلاف کر کے الگ الگ ہوئے۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوگی تو جس معاملے میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں، اس کا فیصلہ (دنیا ہی میں) کر دیا جاتا۔

۴) وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (النحل: ۹۳)

ترجمہ: اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت (یعنی ایک ہی دین کا پیرو) بنا دیتا، لیکن وہ جس کو چاہتا ہے (اس کی ضد کی وجہ سے) گمراہی میں ڈال دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے ہدایت تک پہنچا دیتا ہے۔

۵) وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (هود: ۱۱۸و۱۱۹)

ترجمہ: اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی طریقے کا پیرو بنا دیتا، (مگر کسی کو زبردستی

کسی دین پر مجبور کرنا حکمت کا تقاضا نہیں ہے، اس لئے انہیں اپنے اختیار سے مختلف طریقے اپنانے کا موقع دیا گیا ہے) اور اب وہ ہمیشہ مختلف راستوں پر ہی رہیں گے۔ البتہ جن پر تمہارا پروردگار رحم فرمائے گا، ان کی بات اور ہے (کہ اللہ انہیں حق پر قائم رکھے گا) اور اسی (امتحان) کے لئے اس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور تمہارے رب کی وہ بات پوری ہوگی جو اس نے کہی تھی کہ: میں جہنم کو جنات اور انسانوں دونوں سے بھر دوں گا۔

۶) كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوْتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللهُ الَّذِينَ آمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (البقرة:۲۱۳)

ترجمہ: (شروع میں) سارے انسان ایک ہی دین کے پیرو تھے، پھر (جب ان میں اختلاف ہوا تو) اللہ نے نبی بھیجے جو (حق والوں کو) خوشخبری سناتے، اور (باطل والوں کو) ڈراتے تھے، اور ان کے ساتھ حق پر مشتمل کتاب نازل کی، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں ان کا اختلاف تھا۔ اور (افسوس کی بات یہ ہے کہ) کسی اور نے نہیں بلکہ خود انہوں نے جن کو وہ کتاب دی گئی تھی، روشن دلائل آجانے کے بعد بھی، صرف باہمی ضد کی وجہ سے اسی (کتاب) میں اختلاف نکال لیا، پھر جو لوگ ایمان لائے اللہ نے انہیں اپنے حکم سے حق کی ان باتوں میں راہ راست تک پہنچایا جن میں انہوں نے اختلاف کیا تھا، اور اللہ جسے چاہتا ہے راہ راست تک پہنچا دیتا ہے۔

۷) وَلَوْ شَاءَ اللهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوْا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ (المائدة: ۴۸)

ترجمہ: اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا، لیکن (الگ شریعتیں اس لیے دیں) تاکہ جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے۔ لہٰذا نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اللہ ہی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ اس وقت وہ تمہیں وہ باتیں بتائے گا جن میں تم

اختلاف کیا کرتے تھے۔

۸) وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَّشَاءُ فِي رَحْمَتِهٖ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (الشوری:۸)

ترجمہ: اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا، لیکن وہ جس کو چاہتا ہے، اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے، اور جو ظالم لوگ ہیں ان کا نہ کوئی رکھوالا ہے، نہ کوئی مددگار ہے۔

۹) وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ (الزخرف:۳۳)

ترجمہ: اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تمام انسان ایک ہی طریقے کے (یعنی کافر) ہو جائیں گے تو جو لوگ خدائے رحمن کے منکر ہیں، ہم ان کے لیے ان گھروں کی چھتیں بھی چاندی کی بنا دیتے، اور وہ سیڑھیاں بھی جن پر وہ چڑھتے ہیں۔

۱۰) فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا (النساء:۴۱)

ترجمہ: پھر (یہ لوگ سوچ رکھیں کہ) اس وقت (ان کا) کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لے کر آئیں گے اور (اے پیغمبر) ہم تم کو ان لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر پیش کریں گے؟

یہ آیات صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ مسلمان اور غیر مسلم دونوں "ایک امت" نہیں ہیں۔

جہاں تک ''میثاقِ مدینہ'' کا تعلق ہے، جسے ''اعلانِ مراکش'' نے اپنی بنیاد بنایا ہے، تو۔۔اس کی عبارت مختلف مفاہیم کا احتمال رکھتی ہے۔

اسی طرح ''ابراہیمی خاندان'' (العائلة الإبراهيمية) کی اصطلاح، جس میں مسلمان، عیسائی اور یہودی تینوں شامل کیے جاتے ہیں، متعدد مواقع پر استعمال کی گئی ہے، خاص طور پر حالیہ دنوں میں ابوظہبی کانفرنس سے جاری ہونے والے ''نئے حلف الفضول'' میں اس اصطلاح کو نمایاں طور پر اختیار کیا گیا۔ مگر یہ اصطلاح اس گمان کو جنم دیتی ہے کہ گویا یہ تمام ادیان (مذاہب) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ یہ دعویٰ قرآن کریم کی صریح تعلیمات کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

۱) وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارٰى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَّمَا كَانَ

مِنَ الْمُشْرِكِينَ (البقرۃ:۱۳۵)

ترجمہ: اور یہ (یہودی اور عیسائی مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ: تم یہودی یا عیسائی ہوجاؤ راہ راست پر آجاؤ گے۔ کہہ دو کہ: نہیں بلکہ (ہم تو) ابراہیم کے دین کی پیروی کریں گے جو ٹھیک ٹھیک سیدھی راہ پر تھے، اور وہ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

۲) أَمْ تَقُوْلُوْنَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا أَوْ نَصَارٰى قُلْ أَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (البقرۃ:۱۴۰)

ترجمہ: بھلا کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولادیں یہودی یا نصرانی تھیں؟ (مسلمانو! ان سے) کہو: کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو ایسی شہادت کو چھپائے جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے پہنچی ہو؟ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بےخبر نہیں ہے۔

۳) يَاأَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّوْنَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرٰةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهٖ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۶۵)

ترجمہ: اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں بحث کرتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد ہی تو نازل ہوئی تھیں، کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں ہے؟

۴) هَاأَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۶۶)

ترجمہ: دیکھو! یہ تم ہی تو ہو جنہوں نے ان معاملات میں اپنی سی بحث کرلی ہے جن کا تمہیں کچھ نہ کچھ علم تھا۔ اب ان معاملات میں کیوں بحث کرتے ہو جن کا تمہیں سرے سے کوئی علم ہی نہیں ہے؟ اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔

۵) مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُوْدِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (البقرۃ:۶۷)

ترجمہ: ابراہیم نہ یہودی تھے، نہ نصرانی، بلکہ وہ تو سیدھے سیدھے مسلمان تھے، اور شرک کرنے

والوں میں کبھی شامل نہیں ہوئے۔

۶) قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ(الممتحنة: ۴)

ترجمہ: تمہارے لیے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ہمارا تم سے اور اللہ کے سوا تم جن جن کی عبادت کرتے ہو، ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض پیدا ہو گیا ہے جب تک تم صرف ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔

یہ محض الفاظ کی بحث نہیں ہے۔ جب ''وحدتِ امت'' یا ''ابراہیمی خاندان'' جیسی اصطلاحات ایسی شکل میں استعمال کی جاتی ہیں کہ ان میں مسلمانوں کے ساتھ دیگر مذاہب والے بھی شامل ہو جائیں، تو یہ بات ان لوگوں کے لیے تقویت کا ذریعہ بن سکتی ہے، یا کم از کم ان کے لیے غلط استعمال کا موقع بن سکتی ہے، جو ''وحدتِ ادیان'' کے نظریے کو مانتے ہیں، یعنی (جو یہ کہتے ہیں) کہ تمام مذاہب برحق ہیں، ان کے درمیان حق و باطل کا کوئی فرق نہیں، اور نجات صرف اسلام میں منحصر نہیں۔

اسی طرح ان اصطلاحات کا استعمال ''قومی ریاست'' (National State) کے تصور کو بھی تقویت دیتا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ ریاست کی بنیاد قومیت پر ہو، نہ کہ مذہب پر۔ اس تصور میں خالص اسلامی ریاست کی کوئی گنجائش نہیں، بلکہ سیکولرازم (یعنی لامذہبی اصول) ہی قومی ریاست کا بنیادی ڈھانچہ ہوتا ہے۔

اس خطرے کو مزید تقویت اُس بات سے ملتی ہے جو ''اعلانِ مراکش'' کی تصویری دستاویز میں لکھی گئی ہے:

''جدید تہذیبی سیاق میں 'صحیفۂ مدینہ' مسلمانوں کے لیے شہریت کا ایک مستند ماڈل پیش کرتا ہے۔ یہ ماڈل اسلامی ممالک میں اقلیتوں کے حالات کے لیے موزوں ہے۔ یہ معاہدہ تاریخی اعتبار سے نیا ضرور ہے، مگر اسلامی تجربے میں گہرائی سے جڑا ہوا ہے۔ اس میں انفرادی تشخص کا احترام کیا جاتا ہے، اقلیتوں کو اپنے دین پر عمل کی مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے، اور سب لوگ مل کر دنیاوی معاملات کو باہمی ہم آہنگی سے چلاتے ہیں، ایسی ذمہ داریوں اور حقوق کی بنیاد پر جو 'عقلی دستور' کے ذریعے متعین کیے گئے ہوں، جو توازن، خوشگوار بقائے باہمی، قانون کی حکمرانی، اور سیاسی اختلافات کے منصفانہ

حل کو یقینی بناتا ہے۔''

یہاں خاص طور پر ''عقلی دستور (rational constitution)'' کا ذکر کیا گیا ہے، وہ بھی اسلامی ممالک کے سیاق میں۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس کا مطلب ''سیکولر دستور'' ہی ہے؟ اور سوال یہ ہے کہ جب سب لوگ مل کر دنیاوی معاملات چلا سکتے ہیں تو وہ ''اسلامی دستور'' کی روشنی میں ایسا کیوں نہ کریں؟ پھر کیوں ''عقلی'' یا ''سیکولر'' دستور کی بات کی گئی؟

میں ایک بار پھر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان پرامن بقائے باہمی ایک عظیم مقصد اور شاندار نصب العین ہے، جس کا انکار صرف کوئی ضدی اور تنگ نظر شخص ہی کر سکتا ہے۔ مگر یہ بقائے باہمی ایسے حدود کے دائرہ میں رہ کر ہونی چاہیے جو معقول ہوں، ایسا نہ ہو کہ کہیں اس کی وجہ سے مذاہب کے درمیان فرق ہی مٹ جائے اور عقائد کے بنیادی اختلافات نظر انداز ہو جائیں، جس کے نتیجے میں حق و باطل خلط ملط ہو جائیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ایسی اصطلاحات اور ان پر اس قدر زور دینے سے کہیں ایسا نہ ہو کہ رفتہ رفتہ ہم ''وحدتِ ادیان'' یا ''قومی ریاست'' یا ''سیکولرازم'' کے نظریے کو قبول کرنے لگیں، اور یوں بارش سے بچنے کی کوشش میں ہم پرنالے کے نیچے جا بیٹھیں۔

یہ چند عاجزانہ گزارشات ہیں جو میں نے آپ کی خدمت میں پیش کی ہیں، اس امید پر کہ آپ ان پر توجہ فرمائیں گے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں اپنی حد سے تجاوز نہ کر گیا ہوں، مگر آپ کی ہمیشہ کی شفقت نے مجھے ہمت دی کہ یہ باتیں آپ کے سامنے رکھ سکوں۔ اگر کوئی بات دل کو ناگوار گزری ہو تو مجھے معاف فرما دیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے، آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ درازِ عمر عطا فرمائے، اور ہم سب کو اپنی رضا کے راستے پر چلنے کی توفیق دے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا قدرداں

محمد تقی عثمانی

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ان کانفرنسوں میں نئی اصطلاحات متعارف کروا کر پہلے علمی سطح پر ''ابراہیمی معاہدے'' کے لیے فضا ہموار کرنے کی کوشش ہوئی، اور ۲۰۲۰ء میں امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی سربراہی میں ''ابراہیمی معاہدہ'' وجود میں آ گیا جو متعدد ایگریمنٹ پر مشتمل ہے، جن میں معاہدے میں شامل ممالک (بشمول

اسرائیل) کے ساتھ تجارتی، تزویراتی اشتراک کے احکام موجود ہیں، اور اب اگر آپ ’’ابراہیمی معاہدے‘‘ کا لفظ گوگل میں ڈال کر یا وکی پیریا میں دیکھیں تو اس کا واحد مطلب یہ لکھا ہوا ہوگا کہ معاہدے میں شامل تمام ممالک اسرائیل کو تسلیم کر کے اس کے ساتھ معمول کے تعلقات بحال کریں۔ نتیجہ یہ کہ مزعومہ ’’ابراہیمی خاندان‘‘ کا صرف ایک ملک یعنی اسرائیل اس بات کا حقدار ہے کہ وہ اپنی حیثیت منوائے جو اس نے دھوکے، فریب اور معصوموں کے قتل عام کی بنیاد پر قائم کی ہے، اور اسی ’’ابراہیمی خاندان‘‘ کے وہ لوگ جو فلسطین کے اصل باشندے ہیں ان کا معاملہ کم از کم اس وقت تک معلق رکھا جائے جب تک اسرائیل چاہے۔

اس معاہدے پر کئی عرب ممالک متحدہ عرب امارات، بحرین، مراکش اور سوڈان نے دستخط کیے ہیں۔ سعودی عرب نے دستخط نہیں کیے اور یہ منصفانہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ جب تک بیت المقدس کو دارالحکومت بنا کر فلسطین کی ریاست قائم نہ ہو، وہ اس معاہدے میں شریک نہیں ہوگا۔

اب آپ تصور فرمایئے کہ ’’ابراہیمی خاندان‘‘ کی اصطلاح سے کس طرح صرف ایک ایسی ناجائز ریاست کو تحفظ دیا جا رہا ہے جو ایک وحشی درندے کی طرح کبھی فلسطین کے باشندوں کا قتل عام کرتی ہے، کبھی ایران پر، کبھی لبنان پر اور کبھی شام پر بے خوف وخطر چڑھ دوڑتی ہے، اور جسے نہ کسی بین الاقوامی قانون کا پاس ہے، نہ اخلاقی روایات کا، نہ کسی معاہدے کی پابندی اس کی لغت میں کوئی معنیٰ رکھتی ہے۔

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ "امن" کے پُرفریب نعرے کے ساتھ اس معاہدے کی طرف مسلمان ملکوں کو دعوت دے رہے ہیں، تاکہ سارے مسلمانوں کو اسرائیل کی خواہشات کا غلام بنا کر انہیں اپنے حریف "چین" کے مدمقابل کھڑا کر دیں۔۔۔ع

’’ترے نشتر کی زد شریانِ قیس ناتواں تک ہے‘‘

یومِ استقلال: شراب کی اجازت اور مسجد کی شہادت

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کا دردِ دل

وطن عزیز پاکستان کے یوم آزدی سے چندروز قبل پارلیمنٹ میں بتایا گیا کہ اسلام آباد کے چار بڑے ہوٹلوں کو شراب فروخت کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اس کے معاًبعد اسلام آباد میں ہی کئی دہائیوں سے آباد ایک مسجد کو راتوں رات شہید کر کے وہاں پودے لگا دیے گئے۔ یہ ایسا معاملہ تھا کہ ہر محب وطن کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔ یوم آزادی کے موقع پر دارالعلوم کراچی میں پرچم کشائی کی تقریب کے موقع پر شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ نے خطاب فرماتے ہوئے جہاں موقع کی مناسبت سے مقاصد پاکستان پر روشنی ڈالی وہیں اسلام آباد میں مسجد کی شہادت پر نہ صرف جراءت مندانہ انداز میں اپنے دردِ دل کا اظہار فرمایا بلکہ اعلاءِ کلمہ حق کا فریضہ بھی انجام دیا۔ حضرت مدظلہم کا یہ خطاب تحریری صورت میں قارئین کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔

الحمدللہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی سیدنا و نبینا و مولانا محمد خاتم النبیین و امام المتقین، و علی آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین و علی کل من تبعھم باحسان الی یوم الدین

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج ہم استقلال پاکستان کا اٹھتر واں جشن منا رہے ہیں۔ الحمدللہ دارالعلوم میں یوم آزادی کے موقع پر ولولہ انگیز قسم کا اجتماع ہر سال منعقد ہوتا ہے۔ ہمارے والد ماجد بانی دارالعلوم؛ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کی ہدایت کے مطابق یوم آزادی کا آغاز نماز فجر کے بعد ختم آیت کریمہ اور تلاوت قرآن سے ہوتا ہے۔ دنیا میں یہ رواج ہے کہ یوم آزادی کی شروعات اکیس توپوں کی سلامی سے ہوتی ہے، لیکن ہمارے والد ماجد قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ پاکستان چونکہ الحمدللہ اسلام کے نام پر وجود میں آیا اس لیے ہمارے یوم آزادی کا طریقہ دوسری اقوام سے مختلف ہونا چاہیے۔ اسلام کے مطابق کسی بھی قسم کی عید یا کسی بھی قسم کا جشن اگر منانا ہو تو اس کی روح دراصل رجوع الی اللہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے رجوع کر کے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے اور اسی سے فریاد کی جائے کہ یا اللہ تعالیٰ!۔۔۔۔۔ جس مقصد کے لیے یہ ملک قائم ہوا ہے اس مقصد میں ہمیں پیش قدمی کی توفیق عطا فرما۔ چناں چہ آج اس یوم آزادی کا آغاز دارالعلوم کی مسجد میں ختم آیت کریمہ سے ہوا، دعاؤں سے ہوا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے وہ دعائیں قبول فرمائے، آمین۔

آج ماشاءاللہ جس طرح ہمارے دارالعلوم کے مختلف شعبوں کے طلبہ نے نہایت نظم وضبط کے ساتھ اور بہت جوش

وخروش کے ساتھ پروگرام پیش کیے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان جذبات کو ملک وملت کے بہتر مستقبل کا پیش خیمہ بنائے۔ مدرسہ ابتدائیہ کے چھوٹے بچے جب ہمارے سامنے پریڈ کر رہے تھے تو مجھے اپنا بچپن یاد آرہا تھا۔ آج اس دنیا میں وہ لوگ خال خال ہی ہوں گے جنہوں نے پاکستان بنتے دیکھا۔ ہم بھی ان خوش نصیب لوگوں میں شامل ہیں جنہوں نے اپنے بچپن میں ہی سہی؛ پاکستان کو بنتے ہوئے، پاکستان کی تحریک چلتے ہوئے، پاکستان کے حق میں نعرے لگاتے ہوئے دیکھا۔۔۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس تحریک پاکستان میں کسی بھی حیثیت سے شرکت اور حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ جیسے چھوٹے چھوٹے بچے آپ کے سامنے ابھی پریڈ کر رہے تھے تو مجھے دیوبند کا وہ منظر یاد آرہا تھا جب ہم اتنے ہی کم عمر تھے، بلکہ شاید اس سے بھی کم اور اس وقت ہم اپنی توتلی زبان میں پاکستان زندہ باد کے نعرے لگایا کرتے تھے۔ اور یہ نعرے لگایا کرتے تھے کہ **"پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ!"**

اللہ تعالیٰ نے وہ تمنائیں، وہ آرزوئیں، وہ دعائیں، وہ قربانیاں، وہ جدوجہد اس طرح قبول فرمائی کہ ہمالیہ کے دامن میں پھیلا ہوا یہ خطہ زمین اللہ تبارک وتعالیٰ نے خالص اسلام کے نام پر عطا فرمایا۔ اگر تاریخ پر نظر ڈالیں تو ایسا ملک جو کسی دین کی بنیاد پر قائم ہوا ہو وہ پاکستان کے علاوہ کوئی اور ملک نظر نہیں آتا سوائے ارض حرمین شریفین کے، کہ جو الحمد للہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد اور آپ کی ہدایات کے مطابق ایک نمونہ بنا کر اللہ تعالیٰ نے بھیجی تھی، وہ ظاہر ہے کہ مستثنیٰ ہے، اس کا تو کوئی مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کے بعد اس وقت جتنی حکومتیں نظر آتی ہیں وہ کوئی بھی اسلام کے نام پر نہیں بنیں۔ وہ قومیت کے نام پر بنیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ شرف پاکستان کو عطا فرمایا کہ اس کی بنیاد اسلام پر قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ یہ عظیم ترین نعمت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی۔ اس نعمت کا تھوڑا سا اندازہ اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کو دیکھ کر کر سکتے ہیں کہ وہاں مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے؟ اور یہی وہ چیز تھی جس کی بنا پر قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم کانگریس سے علیحدہ ہوئے۔ پہلے کانگریس میں شامل تھے لیکن ہندوؤں کا طرز عمل دیکھ کر انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہمارا ان کے ساتھ اتفاق اور نباہ نہیں ہو سکتا، اس وجہ سے تحریک پاکستان چلی اور پاکستان کا مطالبہ پیش کیا گیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آج سے اٹھتر سال پہلے 14 اگست 1947ء کو ہمیں یہ وطن عطا فرمایا۔ اس نعمت کا سب سے پہلے ہمیں یہ احساس ہونا چاہیے کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے؟!۔ آزادی کی فضا میں مسلمان سانس لے سکیں، اور آزادی کی فضا میں اپنی بات کہہ سکیں اور اپنے دین کے مطابق چلنے کی کوشش کر سکیں۔ یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس پر اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اس نعمت کا تقاضا یہ تھا کہ ہم سب اور ہماری حکومتیں اور حکمران اس نعمت کی قدر پہچان کر اس منزل کی طرف بڑھتے جس منزل کی خاطر ہمارے بے شمار بھائیوں اور بہنوں نے قربانیاں۔ اس نعمت کا

ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اسلام کو بحیثیت ایک دین اور بحیثیت ایک نظام کے اس طرح اختیار کیا جائے کہ وہ ساری دنیا کے لیے مثال بن سکے۔ افسوس ہے کہ باوجود چند قدم شریعت کی طرف بڑھنے بحیثیت مجموعی ہمارے حکمران اپنے اس فریضے سے غافل رہے۔ اس سے غافل ہونے کے نتیجے میں جو منزل ہمیں حاصل کرنی تھی وہ اٹھتر سال بعد بھی ابھی تک حاصل نہیں ہو سکی۔ الحمدللہ! ہمارے بزرگوں کی جدوجہد سے کچھ ایسے اقدامات وجود میں آئے ہیں کہ اس پر ہم اللہ کا شکر بھی ادا کریں اور اس پر فخر بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن بحیثیت مجموعی حکومتوں کا طرز عمل یہ رہا کہ وہ اپنے نظام حکومت کو اسی مغربی طرز پر چلانے کی کوشش کرتے رہے ہیں جس نے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔

مجھے بہت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج جبکہ ہم یوم آزادی منانے کے لیے جمع ہوئے ہیں، اس سے کچھ ہی دن پہلے دو ایسے اقدامات کیے گئے جو پاکستان کے وجود کے لیے انتہائی خطرناک اور شرمناک ہیں۔ ایک یہ کہ کچھ دن پہلے پارلیمنٹ میں اعلان ہوا کہ اسلام آباد کے چار ہوٹلوں کو شراب بیچنے کی اجازت دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو شراب کے قانونی استعمال سے بچایا تھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ پاکستان بننے کے بعد شراب بند ہو گئی تھی، پھر بھی لوگ خلوت میں، چوری چھپے، شراب پیتے تھے، لیکن کراچی کا وہ منظر ہم نے اپنے بچپن میں دیکھا تھا کہ کراچی کے صدر بازار میں قدم قدم پر شراب خانے تھے، وہاں شراب اس طرح پی جاتی تھی کہ جیسے آپ ریسٹورینٹ میں چائے پیتے ہیں، اس طرح کا رواج عام تھا۔ گلیوں میں سے شراب کی بو آیا کرتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں اس سے نجات عطا فرمائی تھی۔ 1978 میں صدر ضیاء الحق صاحب مرحوم کے زمانے میں اور ہماری طرف سے ایک قانون منظور ہوا، اس قانون کے تحت شراب بالکل بند کر دی گئی، شراب کا پینا جرم قرار دے دیا گیا، اس کا بیچنا جرم قرار دیا گیا۔ اس قانون کی تیاری میں اس ناکارہ کا بھی حصہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے وہ قانون منظور کرایا۔ یہاں تک کہ پی آئی اے کے جہازوں میں پہلے مسافروں کو شراب پلائی جاتی تھی، جب پی آئی اے سے شراب بند کرنے کا حکم آیا تو کہا جاتا تھا کہ پی آئی اے نقصان برداشت نہیں کر سکے گا۔

لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے لوگوں کو اپنی آنکھوں سے دکھا دیا کہ جس سال شراب بند ہوئی پی آئی اے کا منافع پچھلے سالوں کے مقابلے میں کئی گنا بڑھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قانون کو اس طرح کامیاب فرمایا۔ پھر بھی چوری چھپے قانون کے خلاف کام ہر جگہ ہوتا ہے، لیکن قانون کے سائے میں شراب کی خرید و فروخت اور اس کے پینے کا معاملہ الحمدللہ حل ہو چکا تھا۔ اب یوم آزادی سے چند دن پہلے پارلیمنٹ میں یہ اعلان کیا گیا کہ چار بڑے ہوٹلوں کو شراب فروخت کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ یہ انتہائی شرمناک فیصلہ ہے جو حکومت نے کیا اور افسوس ہے کہ یوم آزادی سے پہلے منظور کر کے یوم آزادی کی خوشیوں کو مکدّر کر دیا۔

دوسرا فیصلہ اسلام آباد کی ایک مسجد کو گرایا گیا۔ کہا جارہا ہے کہ ہم نے مدرسہ گرایا تھا، اور مدرسے والوں سے طے کیا گیا تھا کہ ہم اس کے متبادل زمین بھارہ کہو میں دیں گے، وہاں مدرسہ قائم ہوگا اور مدرسہ وہاں منتقل کردیا گیا تھا۔

اوّل تو یہ باہمی مذاکرات کس طرح ہوئے؟ کس نے اس پر اتفاق کا اظہار کیا؟ یہ کچھ پتا نہیں۔ دوسرا یہ کہ اگر مدرسے کو منتقل کرنے کا معاملہ تھا تو وہ مذاکرے کی بنیاد پر منتقل کردیا جائے لیکن جو مسجد بن گئی تھی؛ اور جو جگہ مسجد بن جاتی ہے وہ قیامت تک مسجد رہتی ہے، اس کا تقدس برقرار رکھنا ہر مسلمان کے فرائض میں داخل ہے۔ اس مسجد کو گرانے پر کوئی مذاکرہ نہیں ہوسکتا تھا، اس پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا تھا۔ جب مسجد بن گئی تھی اور سال ہا سال اس میں نمازیں پڑھی جارہی تھیں وہ کسی مذاکرے سے، کسی معاہدے سے ختم کرنا کسی صورت جائز نہیں تھا، لیکن انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ایسی افسوس ناک اور ایسی شرم ناک حرکت کی گئی کہ اس مسجد کو شہید کردیا گیا۔

میں حکومت کے لوگوں سے کہتا ہوں کہ آپ مجھے پورے پاکستان میں کوئی ایک مسجد ایسی دکھادیں جو حکومت نے بنائی ہو؟!۔ جتنی مسجدیں ہیں وہ عوام نے بنائیں، مسلمانوں نے بنائیں۔ حکومت کی طرف سے؛ حکومت کے خرچ پر بننے والی کوئی ایک مسجد کم از کم میرے علم میں نہیں ہے۔ شاہ فیصل مسجد اگر ہے تو وہ سعودی عرب کی امداد سے بنائی گئی تھی، لیکن ایسی مسجد جو پاکستانی بجٹ کے اندر شامل کرکے بنائی گئی ہو کم از کم میرے علم میں ایسی مسجد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ کل ہی مجھے ایک دوست بتارہے تھے کہ جس مسجد میں میں امامت کرتا ہوں وہ پولیس کا مرکز ہے، پولیس کا مرکز بھی سرکاری خرچ پر نہیں بنایا گیا بلکہ عوام سے چندہ لے کر بنایا گیا۔ تو وہ اسلامی ریاست جس کا سب سے بڑا موٹو یہ ہونا چاہیے تھا: اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ کہ جن کو ہم زمین میں اقتدار دیں تو سب سے پہلے وہ نماز قائم کرتے ہیں، اس ریاست کے حکمرانوں نے کوئی ایک مسجد نہیں بنائی اور جو مسجد بنائی جارہی تھی اس کو شہید کرنے کے واقعات ایک سے زیادہ ہیں۔

افسوس ہے کہ اس موقع پر جبکہ یوم آزادی قریب آرہا تھا یہ حرکت کرکے سارے مسلمانوں کو اور سارے عوام کو ایک طرح سے ان کے جذبات مجروح کرکے ان کو اس بات کی دعوت دی گئی ہے کہ حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ انتہائی افسوس! انتہائی صدمہ! کہ یوم آزادی کے موقع پر یہ نوحہ پڑھنا پڑ رہا ہے، ہمیں اس پر رنج وغم کا اور صدمے کا اظہار کرنا پڑ رہا ہے۔

میں یقین سے کہتا ہوں کہ یہ حکمران جنہوں نے یہ حرکت کی ہے وہ اسلام کے اس مقدس مرکز یعنی پاکستان کے ساتھ جتنی بھی بے وفائی کریں اور اس کے مقصدِ وجود سے کتنا بھی انحراف کریں، یہ ملک اللہ کے نام پر وجود میں آیا، لا الٰہ الا اللہ پر وجود میں آیا، لہٰذا ان کی یہ کوششیں کبھی کامیاب نہیں ہوں گی۔ پاکستان کے مسلمان کبھی بھی ان حرکتوں

کو گوارا نہیں کریں گے۔ پتہ نہیں یہ لوگ احمقوں کی کس جنت میں رہتے ہیں، وہ ایسے کام کر گزرتے ہیں جن کے بارے میں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، لیکن الحمدللہ یہ مسلمان قوم ہے، یہ بیدار ہے، یہ ایک ایک عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھتی ہے۔ کوئی بات قابل تعریف ہوتی ہے تو ہم اس کی تعریف بھی کرتے ہیں، ہم اس کی حمایت بھی کرتے ہیں، لیکن ایسے شر انگیز اقدامات جو ہمارے ملک کے مقصد وجود کے خلاف ہیں اس پر خاموش رہنا ہمارے لیے جائز نہیں۔

ہمیں اس کی مذمت کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تلافی کرنے کی کوشش کرنی ہوگی، اور اس کے لیے سب مسلمانوں کو تیار رہنا چاہیے، بہر حال انتہائی افسوس ہے کہ خوشی کے اس موقع کو صدمے کا موقع بنا دیا گیا۔ مسرت کی اس تقریب کو نوحہ پڑھنے کی تقریب بنا دیا گیا۔ اس پر پورے ملک کے علماء اور دین پسند عوام دکھ کا اظہار کر رہے ہیں۔ میں انتہائی دردمندانہ انداز میں اپنے حکمرانوں سے کہوں گا کہ وہ اس صورت حال کا نوٹس لے کر پاکستان کے اصل مقصد وجود کی طرف بڑھیں۔ اور نہ صرف یہ کہ مسجد شہید کرنے کی انتہائی منافقانہ حرکت سے توبہ کریں بلکہ پورے ملک کو اس لحاظ سے مسجد بنائیں کہ اس میں اللہ کا حکم جاری ہو، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل ہو۔ ہمارا نظام تعلیم ایسے لوگ تیار کرے جو سچے اور پکے مسلمان ہوں اور اچھے سچے پاکستانی ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ اس خوشی کے موقع پر بھی یہ کلمات کہنے پڑے، لیکن یہ درد دل ہے، یہ کہے بغیر ہمارا فریضہ ادا نہیں ہو سکتا تھا۔ پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہے، اسلام ہی پر ان شاء اللہ قائم رہے گا۔ مجھے بھائی ذکی کیفی صاحب کا شعر یاد آتا ہے۔۔۔۔۔ ابھی جب پاک بھارت جنگ ہوئی اور اس میں اللہ تعالیٰ نے خاص فضل فرمایا تھا کہ اپنے سے پانچ گنا سے زائد طاقتور دشمن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے شکست فاش دی اور ہماری افواج کو اللہ تعالیٰ نے برتری عطا فرمائی جس کا ڈنکا پوری دنیا میں بجا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فضل وکرم ہے۔ تو میرے مرحوم بھائی نے کہا تھا:

ہر کڑے وقت میں اسلام ہی کام آیا ہے
ہر کڑے وقت میں اسلام ہی کام آئے گا

لہٰذا ہمارے حکمرانوں کو ذرا گوش ہوش سے اس بات کو سننا چاہیے کہ ان کو جو فتح ملی وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ملی، اس لیے ملی کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنایا گیا تھا۔ اگر اس کے خلاف کوئی دوسرا راستہ اختیار کریں گے تو پاکستانی قوم کبھی بھی اس کو قبول نہیں کرے گی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اپنے دین پر استقامت عطا فرمائے، ہمارے ملک کو فن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور جس مقصد کے لیے یہ ملک وجود میں آیا تھا اس مقصد کی طرف تیز رفتاری کے ساتھ پیش قدمی کی توفیق عطا فرمائے، ان دعاؤں کے ساتھ میں آپ حضرات سے اجازت چاہتا ہوں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

سانحہ خوازہ خیلہ:

جرم انفرادی لیکن پروپیگنڈہ تمام مدارس کے خلاف کیوں؟

شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

سوات کے علاقے خوازہ خیلہ میں ایک دینی مدرسہ میں کمسن طالبعلم پر جسمانی تشدد کے باعث اس کی المناک موت نے پوری قوم کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ یہ واقعہ بذات خود انتہائی افسوسناک، تکلیف دہ اور انسانی، اخلاقی و دینی ہر زاویے سے قابلِ مذمت ہے۔ کسی بھی استاد کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ تربیت کے نام پر کسی بچے پر ایسا جبر کرے جس سے اس کی جان ہی چلی جائے بلکہ تنبیہ کی شریعت نے جو حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز کی کسی صورت گنجائش نہیں۔وفاق المدارس العربیہ پاکستان چونکہ دینی مدارس کا سب سے بڑا اور نمائندہ بورڈ ہے اس لیے وفاق المدارس نے اس سانحے کا سنجیدگی سے نوٹس لیتے ہوئے بروقت، مؤثر اور ذمہ دارانہ کردار ادا کیا ہے۔ اس حوالے سے نہ صرف یہ کہ دوٹوک موقف اور واضح بیانیہ جاری کیا گیا جس میں اس واقعہ کی مذمت اور اس میں ملوث عناصر کے خلاف سخت کارروائی کا مطالبہ کیا گیا بلکہ عملی طور پر بھی متاثرہ مقام پر پہنچ کر ہمدردی، یکجہتی اور خیرخواہی پر مبنی امور سرانجام دیے گئے۔وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی قیادت شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم، راقم الحروف ناظم اعلیٰ وفاق المدارس محمد حنیف جالندھری اور ناظم خیبر پختونخوا مولانا حسین احمد کی خصوصی ہدایت پر وفاق المدارس کے ایک نمائندہ وفد کو فوری طور پر خوازہ خیلہ روانہ کیا گیا۔ اس وفد میں مولانا قاری محب اللہ صاحب (ڈویژنل و علاقائی معاون ناظم وفاق المدارس، مالاکنڈ ڈویژن)، مولانا قاری محمد طاہر صاحب (رکن مجلسِ عاملہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان) اور محترم حاجی فہیم صاحب (مسؤول وفاق المدارس، اپر سوات) سمیت دیگر احباب شامل تھے۔

وفد نے مدرسے کا دورہ کیا، طلبہ و اساتذہ سے ملاقات کی، تعلیمی و انتظامی امور کا گہرائی سے جائزہ لیا اور واضح طور پر اپنی تشویش، افسوس اور اصلاحی تنبیہ کا اظہار کیا۔ طلبہ کو تسلی دی گئی، ان کے والدین و سرپرستوں کو اعتماد میں لیا گیا اور ہر ممکن اخلاقی و قانونی معاونت کا یقین دلایا گیا۔ وفد نے بعدازاں شہید طالب علم کے جنازے میں شرکت

کی، مرحوم کے اہلِ خانہ سے تعزیت کی اور ان کے غم میں شریک ہو کر یہ باور کرایا کہ وفاق المدارس نہ صرف ان کے ساتھ کھڑا ہے بلکہ انصاف کی فراہمی تک ہر سطح پر ان کی مدد کرتا رہے گا۔ ناظم خیبر پختونخوا مولانا حسین احمد نے بھی متاثرہ خاندان سے بذریعہ فون تفصیلی رابطہ کیا، تعزیت کی اور بھرپور تعاون کی یقین دہانی کروائی اور میں ذاتی طور پر بھی متعلقہ ذمہ داران سے مسلسل رابطے میں رہا- بلکہ مولانا حسین احمد نے تو خود بنفس نفیس سوات کا دورہ کیا، وہاں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے دینی مدارس کے تمام ذمہ داران کو جمع کیا، حسن اتفاق سے اسی دن جمعیت علماء اسلام کی ضلعی جماعت نے بھی ایک پروگرام رکھا ہوا تھا یوں دونوں پروگرام مشترکہ ہوئے بلکہ دینی مدارس کی تمام تنظیمات کو بھی مدعو کیا گیا تھا اس موقع پر میڈیا کو بھی تفصیلی بریفنگ دی گئی بعد ازاں مولانا حسین احمد اپنے رفقاء کے ہمراہ ڈپٹی کمشنر سوات اور دیگر حکومتی ذمہ داران سے بھی ملے اور ان کے سامنے اپنے اصولی اور دیرینہ موقف کا اعادہ کیا خاص طور پر بعض این جی اوز کے نمائندوں کی مدارس میں آکر مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ مہم چلانے کی اطلاعات سے ضلعی انتظامیہ کو آگاہ کیا اور ایسے عناصر کے خلاف فوری ایکشن لینے کا مطالبہ کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس واقعہ کے حوالے سے وفاق المدارس نے نہ صرف یہ کہ فوری ردعمل دیا بلکہ یہ وضاحت بھی کی کہ جس ادارے میں یہ واقعہ پیش آیا وہ وفاق المدارس کے ساتھ رجسٹرڈ نہیں ہے۔ وفاق المدارس کے قائدین نے واضح کیا کہ اگر یہ مدرسہ وفاق سے رجسٹرڈ ہوتا تو ہم اپنے ضابطے کے مطابق اس کے خلاف فوری اور سخت تادیبی کارروائی کرتے۔ یہ بات قابلِ اطمینان ہے کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان گزشتہ کئی سالوں سے دینی مدارس میں جسمانی سزاؤں سے گریز کی تلقین کر رہا ہے- بلکہ کسی بھی مدرسہ سے تشدد کی شکایت ملنے کی صورت میں اس کے خلاف سخت انضباطی کارروائی کی جاتی ہے-ہم نے ہمیشہ یہ پیغام دیا ہے کہ دینی تعلیم کے لیے مدارس کا رخ کرنے والے مہمانانِ رسول اور کمسن بچوں کو ہرگز تشدد کا نشانہ نہ بنایا جائے۔

ہم اس موقع پر اپنے اس دیرینہ موقف کا نہ صرف یہ کہ اعادہ کرتے ہیں بلکہ اس حوالے سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مانیٹرنگ سسٹم کو مزید بہتر بنانے کی کوشش کریں گے۔ سانحہ سوات کے بعد عوامی غم و غصے کے نتیجے میں جس طرح مدرسے کی عمارت کو نقصان پہنچایا گیا، اسے جلانے اور منہدم کرنے کی کوشش کی گئی، وہ ایک انتہائی افسوسناک اور غیر دانشمندانہ طرزِ عمل تھا۔ ہم نے اس پر کھل کر یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ایک فرد کے جرم کی سزا مدرسہ کی بے جان عمارت کو نہ دی جائے۔ مدرسہ صدقات و خیرات سے بنی اجتماعی امانت ہے، اسے منہدم کرنا دینی و قانونی جرم ہے۔" یہی وجہ ہے کہ ہم نے تجویز دی کہ عمارت کو بچایا جائے، اہلِ علاقہ کی نگرانی میں اسے تعلیمی مقاصد کے لیے دوبارہ فعال کیا جائے اور نظم و نسق کو بہتر بناتے ہوئے دوبارہ شفاف طریقے سے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔

اس واقعے کے بعد بعض حلقے جان بوجھ کر دینی مدارس کے خلاف منظم پروپیگنڈے میں مصروف ہیں۔ سوشل میڈیا پر گمراہ کن مہم، سیاسی ایوانوں میں تعصب پر مبنی بیانات اور والدین کو خوفزدہ کرنے کی کوششیں کسی طور قابلِ قبول نہیں۔ یہ رویہ خود دینی مدارس کے اس عظیم اور وسیع نیٹ ورک کے ساتھ دشمنی کے مترادف ہے جو نہ صرف قوم کی دینی شناخت کا محافظ ہے بلکہ لاکھوں غریب بچوں کو مفت تعلیم، تربیت، خوراک، رہائش اور روحانی ماحول فراہم کر رہا ہے۔

اس اہم موقع پر ہم حکومت، میڈیا، سول سوسائٹی اور تمام باشعور افراد سے یہ مطالبہ اور اپیل کرتے ہیں کہ: اصل مجرم کو قانون کے مطابق قرار واقعی سزا دی جائے۔ معاملے کو انفرادی جرم کی حیثیت سے دیکھا جائے، اجتماعی طور پر سب مدارس کو نشانہ نہ بنایا جائے۔ مدارس کے نظام کو جدید، شفاف اور محفوظ بنانے کے لیے ریاست پاکستان کی طرف سے اخلاقی اور عملی تعاون فراہم کیا جائے، نہ کہ انہیں بدنام کر کے الگ تھلگ کیا جائے۔ میڈیا ذمہ داری کا مظاہرہ کرے اور واقعات کو سیاق و سباق سے ہٹا کر پیش نہ کرے واضح رہے کہ مدارس ہمارے ہیں، قوم کی اساس ہیں، ان کی اصلاح سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ ہم اپنی ذمہ داری نبھاتے رہیں گے اور دینی تعلیم کے اس قافلے کو ان شاء اللہ کسی قیمت پر رکنے نہیں دیں گے۔

بقیہ: عشقِ رسول: اہمیت، آداب، تقاضے

ترجمہ: ''جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں، آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہوں جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہیں، چاہے وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو، ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے۔'' (المجادلہ، آیت: ۲۲)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنا سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر لٹا دیا تو پھر اللہ پاک نے بھی اپنی تمام نعمتوں کے دروازے ان پر کھول دیئے، ان کے قدموں میں سلطنتیں تسبیح کے دانوں کی طرح گریں، دنیا کے خزانے مدینہ کی گلیوں بکھرنے لگے، دنیا کی قیادت و سعادت ان پر فخر کرنے لگی، ان کے احکامات پھر چرند، پرند، ابحار، اشجار سبھی نے مانے اور جب تک مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر عمل پیرا رہے عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حرزِ جاں بناتے رہے، اس وقت تک ساری دنیا ان کے در کی دریوزہ گر رہی اور جیسے ہی انہوں نے عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے منہ موڑا، اللہ پاک کی تمام نعمتوں نے مسلمانوں سے منہ موڑ لیا۔

اُسوۂ حسنہ کی جامعیت

حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صفدر نور اللہ مرقدہ

دُنیا میں جتنے بھی رسول اور نبی تشریف لائے ہیں ہم ان سب کو سچا مانتے اور اُن پر سچے دِل سے ایمان لاتے ہیں اور ایسا کرنا ہمارے فریضہ اور عقیدہ میں داخل ہے۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِه مگر اس ایمانی اشتراک کے باوجود بھی ان میں سے ہر ایک میں کچھ ایسی نمایاں خصوصیات اور کچھ جداگانہ کمالات وفضائل ہیں جن کو تسلیم کیے بغیر ہرگز کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے انبیاء ورسل علیہم السلام تشریف لائے ہیں تو ان سب کی دعوت کسی خاص خاندان اور کسی خاص قوم سے مخصوص رہی، حضرت نوح علیہ السلام تشریف لائے تو اپنی دعوت کو صرف اپنی ہی قوم تک محدود رکھا۔ حضرت ہود علیہ السلام جلوہ افروز ہوئے تو فقط قوم عاد کو خطاب کیا۔ حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تو محض قومِ ثمود کی فکر لے کر آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کے پیغمبر تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو نجات دلانے کے لیے بھیجے گئے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بس بنی اسرائیل کی کھوئی بھیڑوں کی تلاش اور سراغ میں نکلے تھے۔ جب غیروں نے اُن کے روحانی کمالات سے استفادہ کرنے کی اپیل کی تو اس نے جواب میں کہا لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈالدینا اچھا نہیں۔ (انجیل متی۔ باب ۱۵۔ آیت ۲۶)

یہی وجہ تھی کہ ان پیغمبروں میں سے کسی ایک نے بھی اپنی قوم سے باہر نظر نہیں ڈالی، لیکن جب رحمتِ خداوندی کی وہ عالمگیر گھٹا جو فاران کی چوٹیوں سے اُٹھی تھی جس سے انسانیت وشرافت، دیانت وامانت، وعدل وانصاف اور تقویٰ وورع کی مرجھائی ہوئی کھیتیاں پھر سے سرسبز وشاداب ہو کر لہلہا اٹھیں۔ وہ قوم وجماعت، ملک وزمین، مشرق ومغرب شمال وجنوب اور برّ وبحر کی تمام قیدوں اور پابندیوں سے بالکل آزاد تھی۔ وہ بلا امتیاز وطن وملت، بلا تفریق نسل وخاندان، بدوں تمیز رنگ وخون بغیر لحاظِ سیاہ وسپید اور بے اعتبار حسب ونسب تا قیامت پوری نسلِ انسانی کے لیے رحمتِ مُہداۃ بن کر نمودار ہوئی اور ربّ ذوالاحسان نے خود آپ ہی کی زبان فیض رساں سے یہ اعلان کر دیا کہ:

قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (پ:۹، اعراف:۱۹)

”آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“

وہ ابرِ کرم اٹھا تو فاران کی چوٹیوں سے، مگر سب روئے زمین پر پھول برساتا اور مژدۂ جانفزا سناتا ہوا چھا گیا اور

پوری دھرتی کے چپہ چپہ پر خوب کھلکھلا کر برسا دشت وصحرا نے اُس سے آسودگی حاصل کی۔ بحر و بر اس سے سیراب ہوئے چمنستانوں نے اس سے رونق پائی اور ویرانوں کو اس کی فیض پاشی نے لعل و گوہر سے معمور کر دیا۔ اہلِ عرب اس سے مستفید ہوئے۔ باشندگانِ عجم نے اُس سے اکتسابِ فیض کیا۔ یورپ نے اس کی خوشہ چینی کی اور ایشیا اس کا گرویدہ بنا۔ دُنیا کے تمام گمراہوں کو وادیٔ ضلالت سے نکالنے کی اس نے راہ نمائی کی۔ اور آوارگانِ دشتِ غوایت کی رہبری کی۔ اور نسلِ انسانی کے سب مایوس مریضوں اور ہر قسم کے ناامید بیماروں کو زُود اثر تریاق اور نسخۂ شفا بخشا۔

اُتر کر حراء سے سوئے قوم آیا!
اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت ورسالت صرف نسلِ انسانی ہی کے لیے نہیں بلکہ جنات بھی اس امر کے مکلف اور پابند ہیں کہ آپ کی نبوت و رسالت کا اقرار کر کے آپ کی شریعت پر عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور نجاتِ اخروی تلاش کریں۔ ثقلین (انس وجن) کا مکلف ہونا نیز جنات کا قرآنِ کریم کو غور وفکر سے سن کر اس پر ایمان لانا اور پھر جا کر اپنی قوم کو تبلیغ کرنا قرآن مجید میں مصرّح ہے اور عالمین کے مفہوم میں جنات بھی شامل ہیں اور قرآنِ کریم میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ آپ کو تمام جہانوں کے لیے نذیر بنا کر بھیجا گیا: لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔

اور خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: **ارسلت الی الأحمر والاسود قال مجاھد الانس والجنّ** (مستدرک جلد ۲، ص ۴۲۴ قال الحاکم والذہبی علیٰ شرطہما)

''مجھے سرخ اور سیاہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ سرخ سے انسان اور سیاہ سے جن مراد ہیں۔

جو مکارم اخلاق آپ کو خالقِ کونین کی طرف سے مرحمت ہوئے تھے اور جن کی تکمیل کے لیے آپ کو اس دُنیا میں بھیجا گیا تھا وہ مکلف مخلوق کی فطرت کے جملہ مقتضیات کے عین مطابق تھے اور جن کا مقصد صرف یہی نہ تھا کہ اُن کے ذریعہ رُوحانی مریضوں کو اُن کے بستروں سے اٹھا دیا جائے بلکہ یہ بھی تھا کہ اُٹھنے والوں کو چلایا جائے اور چلنے والوں کو بسرعت دوڑایا جائے اور دوڑنے والوں کو روحانی کمال اور اخلاقی معراج کی غایۃ قُصوی تک اور سعادتِ دُنیوی ہی نہیں بلکہ سعادت دارین کی سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا جائے اور اُن کا خوانِ نعمت فقط مریضوں کے لیے قوت بخش اور صحت افزاء نہ ہو بلکہ وہ تمام مکلف مخلوق کی اصل فطری اور روحانی لذیذ غذا بھی ہو اور آپ کے مکارم اخلاق اور اُسوۂ حسنہ نے وہ تمام ممکن اسباب مہیا کر دیئے ہیں کہ خلقِ عظیم کی بلند اور دُشوار گزار گھاٹی پر چڑھنا آسان اور سہل ہو گیا ہے۔ آپ کی بعثت کے اغراض ومقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ بھی تھا جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ صَالِحَ الْاَخْلَاقِ وفی روایة مکارم الاخلاق (قال الشیخ حدیث صحیح۔ السراج المنیر، ج:۲،ص:۷۴)

''مجھے تو اسلئے مبعوث کیا گیا ہے تا کہ میں نیک خصلتوں اور مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔''

اور یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ جس طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام خاص خاص جماعتوں اور مخصوص قوموں کے لیے مُصلح اور پیغمبر تھے، اسی طرح اُن کی روحانیت اور اخلاقی آئینے بھی خصوصی صفات اور اصناف کے مظہر تھے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام مجرم اور نافرمان قوم کی نجات کے لیے باوجود قوم کی ایذارسانی کے سعی بلیغ کی زندہ یادگار تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اخلاص وقربانی کی مجسم مثال تھے کہ انھوں نے اپنے اکلوتے اور عزیز ترین لختِ جگر کو خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لیے اپنی طرف سے ذبح کر ہی ڈالا اور اس کے حکم کی تعمیل میں کسی قسم کی کوتاہی اور کمزوری نہ دکھائی، جس کی ایک ادنیٰ اور معمولی سی برائے نام نقل آج بھی ہر صاحبِ استطاعت مسلمان اُتارتا اور سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاہِیْم کی پیروی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ جُدا بات ہے کہ۔

تیری ذبح ذبحِ عظیم کی ہو مثیل کیوں کر خلوص میں
نہ خلیل کا سا ہے دِل تیرا نہ ذبیح کا سا گلا تیرا

حضرت ایوب علیہ السلام صبر ورضا کے پیکر تھے، مصائب وآلام کے بے پناہ سیلاب بہ گئے مگر وہ مضبوط پہاڑ کی طرح اپنی جگہ ثابت رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی جرأت حق کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی، کہ فرعون جیسے جابر اور مطلق العنان بادشاہ کے دربار میں ساون کے بادلوں کی طرح گرج اور صاعقۂ آسمانی کی طرح کڑک کر تہلکہ ڈال دیتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی صبر آزما حیات یادگارِ دہر تھی کہ اپنے ہی بیٹوں کے ہاتھ سے پیارے یوسف عزوجل تعالیٰ کے سلسلہ میں اذیت اور دکھ اٹھا کر فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ فرما کر خاموش ہو گئے۔ اور اندر ہی اندر آنسوؤں کے طوفان موجیں مارتے ہوئے ساحل اُمید سے ٹکراتے رہے اور نا اُمیدی کو قریب نہیں آنے دیا کہ: ع

''نگاہِ لطف کے اُمیدوار ہم بھی ہیں''

حضرت یوسف علیہ السلام کی عفّت مآب زندگی پاکدامن نوجوانوں کے لیے باعثِ صد افتخار ہے کہ انھوں نے اِمرأۃ عزیز کی تمام مکاریوں اور حیلہ جوئیوں کی استخواں شکن زنجیروں کی ایک ایک کڑی کو معاذ اللہ فرماتے ہوئے پاش پاش کر دیا۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی شاہانہ زندگی ان سب سے نرالی تھی کہ قبائے سلطنت اور عبائے خلافت اوڑھ کر مخلوقِ خدا کے سامنے ظہور پذیر ہوئے اور اس طریقہ سے عدل وانصاف کے مطابق ان کی خدمت کا عمدہ فریضہ انجام دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام توکل و قناعت، زُہد وخود فراموشی کی ایک پوری کائنات تھے کہ زندگی بھر سر چھپانے کے لیے ایک جھونپڑی بھی نہیں بنائی اور فرمایا: "اے لوگو! یہ کیوں سوچتے ہو کہ کیا کھاؤ گے؟ فضا کی چڑیوں کے لیے کاشتکاری کون کرتا ہے؟ اور اُن کے منہ میں خوراک کون ڈالتا ہے؟ اے لوگو! تمہیں اس کی کیا فکر ہے اور تم یہ کیوں سوچتے ہو کہ کیا پہنو گے؟ جنگل کی سوسن کو اتنی دیدہ زیب پوشاک اور خوبصورت لباس کون پہنا تا ہے؟

یہ تمام بزرگ اور مقدس ہستیاں اپنے اپنے وقت پر تشریف لائیں اور بغیر حضرت مسیح علیہ السلام سب دُنیا سے رخصت ہو گئیں لیکن جب قصرِ نبوت اور ایوانِ رسالت کی آخری اینٹ کا ظہور ہوا جس کی انتظار میں دہرِ کہن سال نے ہزاروں برس صرف کر دیئے تھے۔ آسمان کے ستارے اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے۔ اُن کے استقبال کے لیے لیل و نہار بے شمار کروٹیں بدلتے رہے۔ اُن کی آمد سے محض کسریٰ کے محل کے چودہ کنگرے ہی نہیں بلکہ رسمِ عرب، شانِ عجم، شوکت روم، فلسفۂ یونان اور اوجِ چین کے قصر ہائے فلک بوس گر کر آنِ واحد میں پیوندِ زمین ہو گئے، تو پورے کرۂ ارض کے لیے ایک عالمگیر سعادت اور ایک ہمہ گیر رحمت لے کر آئی۔ آپ کا وجود مقدس روحانیت کے تمام اصناف کی ایک خوشنما کائنات، اخلاق حسنہ کی ایک دلآویز جاذبیت، اور رنگ برنگ گل ہائے اخلاق کا ایک پورا چمنستان تھا۔ اُمت مرحومہ کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کی دلسوزی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خُلّت، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت داؤد علیہ السلام کی مناجات، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جرأت، حضرت ہارون علیہ السلام کا تحمل، حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت، حضرت یعقوب علیہ السلام کی آزمائش، حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت، زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تقرّب الٰہی کے لیے گریہ وزاری اور حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا توکل۔ یہ تمام منتشر اوصاف آپ کے وجودِ مسعود میں سمٹ کر جمع اور یکجا ہو چکے تھے۔ سچ ہے کہ۔

حسن یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

غرض کہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ہر ایک کی زندگی خاص خاص اوصاف میں نمونہ اور اُسوہ تھی۔ مگر سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ وارفع زندگی تمام اوصاف واصناف میں ایک جامع زندگی ہے۔

آپ کی سیرت مکمل اور آپ کا اسوۂ حسنہ ایک کامل ضابطۂ حیات اور دستور ہے۔ اس کے بعد اصولی طور پر کسی اور چیز کی سرے سے کوئی حاجت ہی باقی نہیں رہ جاتی اور نہ کسی اور نظام وقانون کی ضرورت ہی محسوس ہو سکتی ہے۔

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اُٹھتے نہیں ہیں ہاتھ مرے اس دعا کے بعد

اگر آپ بادشاہ اور سربراہِ مملکت ہیں تو شاہِ عرب اور فرماں روائے عالم کی زندگی آپ کے لیے نمونہ ہے۔ اگر آپ فقیر و محتاج ہیں تو کملی والے کی زندگی آپ کے لیے اُسوہ ہے، جنہوں نے کبھی دقل (رڈی قسم کی کھجوریں) بھی پیٹ بھر کر نہ کھائیں۔ اور جن کے چولہے میں بسا اوقات دو دو ماہ تک آگ نہیں جلائی جاتی تھی۔

اگر آپ سپہ سالار اور فاتح ملک ہیں تو بدر و حنین کے سپہ سالار اور فاتح مکہ کی زندگی آپ کے لیے ایک بہترین سبق ہے جس نے عفو و کرم کے دریا بہادیئے تھے۔ اور لَا تَثۡرِيۡبَ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ کا خوش آئند اعلان فرما کر تمام مجرموں کو آنِ واحد میں معافی کا پروانہ دے کر بخش دیا تھا۔

اگر آپ قیدی ہیں تو شعبِ ابی طالب کے زندانی کی حیات آپ کے لیے درس عبرت ہے۔ اگر آپ تارکِ دنیا ہیں تو غارِ حراء کے گوشہ نشین کی خلوت آپ کے لیے قابلِ تقلید عمل ہے۔

اگر آپ چرواہے ہیں تو مقام "اجیاد" میں آپ کو چند قراریط (ٹکوں) پر اہل مکہ کی بکریاں چراتے دیکھ کر تسکین قلب حاصل کر سکتے ہیں۔

اگر آپ معمار ہیں تو مسجد نبوی کے معمار کو دیکھ کر ان کی اقتداء کر کے خوشی محسوس کر سکتے ہیں۔ اگر آپ مزدور ہیں تو خندق کے موقع پر اُس بزرگ ہستی کو پھاوڑا لے کر مزدوروں کی صف میں دیکھ کر اور مسجد نبوی کے لیے بھاری بھر کم وزنی پتھر اُٹھا اُٹھا کر لاتے ہوئے دیکھ کر قلبی راحت حاصل کر سکتے ہیں۔

اگر آپ مجرّد ہیں تو اس پچیس سالہ نوجوان کی پاکدامن اور عفت مآب زندگی کی پیروی کر کے سرورِ قلب حاصل کر سکتے ہیں جس کو کبھی کسی بدترین دشمن نے بھی داغدار نہیں کیا اور نہ کبھی اس کی جرأت کی ہے۔

اگر آپ عیال دار ہیں تو آپ متعدد ازواجِ مطہرات کے شوہر کو اَنَا خَیۡرُکُمۡ لِاَہۡلِیۡ فرماتے ہوئے سن کر جذبۂ اتباع پیدا کر سکتے ہیں۔

اگر آپ یتیم ہیں تو حضرت آمنہ کے لعل کو یتیمانہ زندگی بسر کرتے دیکھ کر آپ کی پیروی اور تأسّی کر سکتے ہیں۔

اگر آپ ماں باپ کے اکیلے بیٹے ہیں اور بہنوں اور بھائیوں کے تعاون و تناصر سے محروم ہیں تو حضرت عبداللہ کے اکلوتے بیٹے کو دیکھ کر اشک شوئی کر سکتے ہیں۔

اگر آپ باپ ہیں تو حضرت زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ، قاسم، اور ابراہیم رضی اللہ عنہم (وغیرہ) کے شفیق و مہربان باپ کو ملاحظہ کر کے پدرانہ شفقت پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ تاجر ہیں تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تجارتی

کاروبار میں آپ کو دیانت دارانہ سعی کرتے ہوئے معائنہ کر سکتے ہیں۔

اگر آپ عابد شب خیز ہیں تو اُسوۂ حسنہ کے مالک کے متورّم قدموں کو دیکھ کر اور اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا فرماتے ہوئے آپ کی اطاعت کو ذریعہ تقرّبِ خداوندی اختیار کر سکتے ہیں۔

اگر آپ مسافر ہیں تو خیبر و تبوک وغیرہ کے مسافر کے حالات پڑھ کر طمانیت قلب کا وافر سامان مہیا کر سکتے ہیں۔

اگر آپ امام اور قاضی ہیں تو مسجد نبوی کے بلند رتبہ امام اور فصلِ خصومات کے بے باک اور منصف مدنی جج کو بلا امتیازِ قریب و بعید اور بغیر تفریق قوی وضعیف فیصلہ صادر فرماتے ہوئے مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اور اگر آپ قوم کے خطیب ہیں تو خطیب اعظم کو منبر پر جلوہ افروز ہو کر بلیغ اور موثر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے اور غافل قوم کو اِنِّی اَنَا نَذِیْرُ الْعُرْیَانِ فرما کر بیدار کرتے ہوئے ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ الغرض زندگی کا کوئی قابل قدر اور مستحق توجہ پہلو اور گوشہ ایسا باقی نہیں رہ جاتا جس میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معصوم اور قابلِ اقتداء زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ، عمدہ ترین اُسوہ اور اعلیٰ ترین معیار نہ بنتی ہو۔

پس اُس وجودِ قدسی پر لاکھوں بلکہ کروڑوں درُود و سلام، جس کے وجودِ مسعود میں ہماری زندگی کے تمام پہلو سمٹ کر آجاتے ہیں اور ہماری رُوح کا ایک ایک گوشہ عقیدت و اخلاص کے جوش سے معمور ہو جاتا ہے جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ دنیا کے لعل و گوہر کا جو پائدار خزانہ تمام ارض و سما اور بحر و بر چھان ڈالنے کے بعد بھی کسی قیمت پر جمع نہیں ہو سکتا تھا وہ انمول خزانہ اُمت مرحومہ کو اپنے پیارے نبی کے اُسوۂ حسنہ، اپنے برگزیدہ رسول کی سنت صحیحہ اور اپنے مقبول رسول کے معدنِ حدیث کی ایک ہی کان اور معدن سے فراہم ہو گیا ہے۔ اور قرآن کریم کے بعد ہماری تمام بیماریوں کا مداوا احدیث پاک میں علیٰ وجہ الاتم موجود ہے۔

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیثِ مصطفی برجاں مسلّم داشتن

(بقیہ: خلاصہ تصوف)

نقطۂ سوم کے تحت یہ تیسری بات جو حضرت شاہ صاحب نے فرمائی ہے یہ اللہ تعالی کا خصوصی معاملہ، اور عطاء ربانی ہے، لیکن طریق کا مقصود اصلی ہر گز نہیں ہے۔ مقصود اصلی تو خود (مقامات یعنی) صفات ایمانیہ کا قلب وطبیعت میں راسخ ہو جانا ہے، جس کے بعد شریعت کا کامل اتباع اور عبادات و نوافل کی عظیم توفیق ملتی ہے۔ جس پر سکینت کا نزول، ملأ اعلی کی رفاقت اور قرب و رضا کا حصول یقینی ہے۔

عشقِ رسول: اہمیت - آداب - تقاضے

مولانا سفیان علی فاروقی

آج کل ہم سب کا دعویٰ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اتنا سچا عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اس سے بڑھ کر اور اس سے زیادہ عاشقِ رسول دنیا میں کوئی بھی نہیں، لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہماری زندگی کا ۸۰ فیصد حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور احکامات کی پیروی سے یکسر خالی ہے (اور یہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی انوکھی قسم ہے)۔ہم عاشقِ رسولؐ ہیں، لیکن ہم نے پنج وقتہ نماز نہیں پڑھنی۔ہم عاشقِ رسولؐ ہیں، لیکن ہم نے اپنی شادیاں ہندوانہ رسم و رواج اور انگریزوں کی پیروی کرتے ہوئے کرنی ہیں۔ہم عاشقِ رسولؐ ہیں، لیکن ہمارے غمگین لمحات اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی پر گزرتے ہیں۔ہم عاشقِ رسولؐ ہیں، لیکن ہماری معاشرتی زندگی سیرۃ النبیؐ سے کوسوں دور ہے۔ہم عاشقِ رسولؐ ہیں، لیکن ہمارا کاروبار احکاماتِ نبوی سے یکسر مختلف ہے۔ہم عاشقِ رسولؐ ہیں، لیکن ہمارے بچوں کا آئیڈیل انگریز ہے۔ہم عاشقِ رسولؐ ہیں، لیکن زندگی یورپ کی جینا چاہتے ہیں۔ہم عاشقِ رسولؐ ہیں، لیکن والدین، بہن بھائیوں، عزیز و اقارب کے حقوق کے معاملے میں نبوی احکامات کے بالکل خلاف چل رہے ہیں۔ہم عاشقِ رسولؐ ہیں، لیکن ہماری عملی زندگی میں سیرت کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی۔سو عشق کا دعویٰ کرنا اور سچا عاشق بننا دو بالکل مختلف چیزیں ہیں اور حقیقتاً ہم عشق کے دعویدار تو ہیں، لیکن سچے عاشق نہیں ہیں۔

عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اہمیت:

ایک مسلمان اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک اس کا عشقِ رسولؐ کامل نہ ہو، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا، ہر ہر قول اور ہر ہر عمل سے سچا عشق نہ ہو، زندگی کے ہر معاملے میں سب سے پہلے نبوی طرزِ عمل کو ڈھونڈے، جی جان سے اس پر عمل کی کوشش کرے، احکاماتِ نبوی کے مطابق زندگی کے شب و روز گزارنے کی جدوجہد کرے، اپنے معاملات، معاشرت، لین دین، خوشی و غمی ہر چیز احکاماتِ نبوی (ا) کے تابع کردے، یہی ہر مسلمان سے تقاضا ہے، یہی اس کی زندگی کا منہج و مقصد ہے، اسی چیز پر زندگی گزارنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ قرآن پاک میں ارشادِ ربانی ہے کہ:

''وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا'' (سورۃ الاحزاب)

''کسی مؤمن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی معاملے کا فیصلہ کردیں تو ان کے اپنے معاملے میں اختیار باقی رہ جائے اور جو کوئی اللہ و رسولؐ کی نافرمانی کرے، وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔''

سورۃ الحشر، آیت نمبر:۷ میں ارشادِ الٰہی ہے:

''وَمَآ اٰتٰـكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰـكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللهَ اِنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ''(الحشر:۷)

''جو کچھ رسول تمہیں دیں، وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں روک دیں، اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈر جاؤ، وہ شدید عذاب دینے والا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ۔'' (مشکوٰۃ)

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنی خواہشات کو میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ کردے۔''

عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آداب:

''ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں''

وہ عشق ہی کیا جس میں ادب آداب کا لحاظ نہ ہو، چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں ایک مشہور واقعہ درج ہے: بادشاہ ناصر الدین محمود کے ایک خاص مصاحب کا نام محمد تھا، بادشاہ اس کو اسی نام سے پکارا کرتا تھا، ایک دن خلافِ معمول اسے ''تاج الدین'' کہہ کر آواز دی، وہ تعمیلِ حکم میں حاضر تو ہوگیا، لیکن بعد میں گھر جا کر تین دن تک نہیں آیا، بادشاہ نے بلاوا بھیجا، تین روز تک غائب رہنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا: آپ ہمیشہ مجھے ''محمد'' کے نام سے پکارا کرتے تھے، لیکن اس دن آپ نے ''تاج الدین'' کہہ کر پکارا، میں سمجھا میرے متعلق آپ کے دل میں کوئی خلش پیدا ہوگئی ہے، اس لیے تین دن تک حاضرِ خدمت نہیں ہوا، ناصر الدین نے کہا: ''واللہ! میرے دل میں آپ کے متعلق کسی قسم کی کوئی خلش نہیں، تاج الدین کے نام سے تو میں نے اس لیے پکارا تھا کہ اس دن میرا وضو نہیں تھا اور

مجھے ''محمد'' کا مقدس نام بغیر وضو کے لینا مناسب معلوم نہیں ہوا۔''

اسی طرح ہمارے محدثین کا الحمدللہ معمول رہا ہے کہ جب بھی کوئی حدیث نقل کرنے لگتے ہیں تو باقاعدہ اہتمام کے ساتھ آداب کے ساتھ باوضو ہو کر حدیث کو نقل کرتے ہیں، ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا ہے کہ وہ کسی ایسی بات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کرتے جس کے متعلق انہیں علم نہ ہو کہ واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی فرمائی ہے، کیونکہ کوئی بھی ایسی بات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا انتہا درجے کی بے ادبی ہے، یہ بھی انتہا درجے کی بے ادبی ہے کہ کسی ایسے شخص کو گستاخِ رسول قرار دینا جس نے گستاخی نہ کی ہو۔ یہ بھی انتہا درجے کی بے ادبی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آئے اور ہم درود و سلام نہ پڑھیں، یہ بھی بے ادبی ہے کہ ایک معاملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل موجود ہو اور ہم اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا طرزِ عمل اختیار کریں۔ ادب یہ ہے کہ اپنی سوچ، فکر، فہم، رسم و رواج سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے تابع کر لیں، ساری محبتیں اس ایک محبت پر قربان کر دیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دنیا کی تمام چیزوں کی محبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر قربان کر دیا تھا، آپؐ کی محبت میں ماں باپ، بہن بھائی، رشتہ دار قربان کر دیے، غرضیکہ سب کچھ قربان کر دیا، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو نہ چھوڑا۔ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ حالتِ کفر میں اپنی بیٹی کو ملنے کے لیے آتے ہیں اور کملی والےؐ کے مقدس بستر پر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہیں تو بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا یکدم بولتی ہے: ''ابا جان! ذرا ٹھہریئے'' باپ رُک گیا۔ بیٹی کیا بات ہے؟ بیٹی نے جلدی سے بستر لپیٹ دیا، سیدنا ابوسفیانؓ بولے: کیا یہ بستر میری شان کے لائق نہیں؟ یا میں اس بستر پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہوں؟ بیٹی نے کہا: یہ ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک بستر ہے اور آپ اس وقت ناپاک ہیں۔'' ذرا اندازہ لگایئے کہ سیّدہ ام حبیبہؓ نے اپنے باپ کی ذرا پرواہ نہیں کی اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے باپ کو بھی رد کر دیا۔

عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تقاضے:

عاشق کے وجود کا ظاہری حلیہ اور اس کے اعمال میں جھلکتا باطنی عشق اس کے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہو، اسے اپنے عشق کے اظہار کے لیے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے نعرے نہ لگانے پڑیں، بلکہ اس کے اعمال چیخ چیخ کر دنیا کو بتا دیں کہ یہ ہے سچا عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ صحابہ کرامؓ نے یہی کیا تھا، آیئے! ان کے عشق کی چند جھلکیاں دیکھتے ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عشق کی چند جھلکیاں

۱-موسیٰ بن عقبہؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ دورانِ سفر راستے میں بعض مقامات تلاش کرتے تھے اور وہاں نماز پڑھتے تھے، کیونکہ انہوں نے اپنے والد عبداللہؓ کو اور انہوں نے اپنے والد عمرؓ کو وہاں نماز پڑھتے دیکھا تھا اور حضرت عمر وہاں اس لیے نماز پڑھتے تھے کہ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں نماز پڑھتے دیکھا تھا۔(بخاری:۴۸۳)

۲-حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سواری پر سوار ہوئے تو دعائے مسنون پڑھنے کے بعد مسکرانے لگے۔ کسی نے پوچھا: امیر المومنین! مسکرانے کی کیا وجہ ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر سوار ہو کر اسی طرح دعا پڑھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے تھے، لہٰذا میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں مسکرایا ہوں۔(ابوداود؛۲۶۰۲)

۳-حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو پسند ہیں، تو وہ بھی کدو پسند کرنے لگے۔(مسند احمد:۳/۱۷۷)

۴-ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکہ کے بارے میں فرمایا کہ: سرکہ تو اچھا سالن ہے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تب سے مجھے سرکے سے محبت ہوگئی ہے۔(دارمی:۲۱۸۱)

۵-ایک بار ایک صحابیؓ کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ سے اُتار کر دور پھینک دی، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہارِ ناراضگی کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے پر کسی نے کہا کہ اس کو اُٹھالو اور بیچ کر فائدہ حاصل کرلو(کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پہننے سے منع فرمایا تھا) مگر اس نے کہا: خدا کی قسم! میں اسے کبھی نہیں اٹھاؤں گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پھینک دیا ہے۔(مسلم:۲۰۹۰)

۶-کچھ صحابہؓ کو بیعت کی شرائط میں یہ نصیحت بھی فرمائی کہ:''لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرنا'' تو انہوں نے اس شدت سے اس کی پابندی کی کہ اگر اونٹنی پر سوار کہیں جا رہے ہوتے اور ہاتھ سے لگام گر جاتی تو اونٹنی کو بٹھا کر خود اپنے ہاتھ سے اس کو اٹھاتے تھے اور کسی آنے جانے والے سے نہیں کہتے تھے کہ اٹھا کر دے دو۔(مسند احمد:۵/۲۷۷)

۷-سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مرادِ رسول سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہیں:''اے عمرؓ

!تم میرے ساتھ کتنا عشق و پیار کرتے ہو؟'' فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا: ''اپنے ماں باپ سے، اپنی اولاد سے، اپنے رشتہ داروں سے، اپنے دوستوں سے، بلکہ کل کائنات سے زیادہ آپ سے عشق رکھتا ہوں اور عزیز سمجھتا ہوں بجز اپنی جان کے۔'' کملی والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عمرؓ! اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے اس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ سمجھے۔'' فاروقِ اعظمؓ نے کہا: ''اب آپ ﷺ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز و محبوب ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عمرؓ! اب تو مومن ہے۔

صحابہ کرامؓ کا معاملہ بھی عجیب تھا، ان کی محبت کا دارومدار بس عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا، اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا تو پھر خونی رشتے بھی بے معنی تھے اور اگر کوئی ایمان لایا اور خونی رشتہ نہیں بھی تھا تو اپنی جان سے زیادہ عزیز تھا۔ واقعی تاریخ انسانیت میں ایسا انقلاب نہ پہلے آیا اور نہ کبھی آئے گا۔

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی منافق نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق کہا: ''لَئِنۡ رَّجَعۡنَاۤ اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ لَيُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡهَا الۡاَذَلَّ'' یہ بات ابن ابی کے فرزند ارجمند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے کان میں پہنچ گئی، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تلوار لے کر مدینہ شریف کے مین گیٹ پر کھڑے ہو گئے، لوگ گزرتے گئے، جب باپ آیا تو کہنے لگا: پیچھے ہٹ جاؤ، تمہیں مدینہ میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا، جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے لیے کوئی فیصلہ صادر نہیں فرما دیں، چنانچہ رحمت کائنات تشریف لائے تو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: جب تک یہ اپنے لفظ واپس نہیں لے گا، اس کو گزرنے نہیں دوں گا۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں اپنے والد کو کافروں کی حمایت میں مسلمانوں کے مقابلہ میں آنے کی وجہ سے قتل کر دیا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کر دیا۔

حضرت عمرؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبیدہ بن حارثؓ نے اپنے قریبی رشتہ داروں عتبہ، شیبہ، ولید وغیرہ کو قتل کیا۔ غرضیکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے ماں، باپ، بہن، بھائی، عزیز و اقارب سب کو قربان کر دیا، اسی لیے ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: (باقی صفحہ نمبر: ۴۳)

خلاصۂ تصوّف

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کا ایک چشم کشا و وجد انگیز مضمون

تشریح وترجمانی: مولانا یحییٰ نعمانی

امام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی تاریخ اسلام کے ممتاز ترین علما میں سے ہیں۔ بلکہ اپنی متعدد علمی وفکری خصوصیات کے لحاظ سے وہ ہماری پوری تاریخ میں بےنظیر مقام رکھتے ہیں۔حقائق اسلام کی معرفت، حکمت دین کے علم اور شریعت کے اسرار ورموز کے بیان میں، اہل نظر متفق ہیں، کہ ان کا منفرد اور عظیم الشان مقام ہے۔اس کے ساتھ ہی حضرت شاہ صاحب قدس سرہ تصوف وسلوک اور علم احسان کے ایک نہایت بلند مقام عارف اور اس بحرِ ہیبت نشان کے عظیم شناور بھی تھے۔اس موضوع پر ان کی متعدد مستقل تصنیفات بھی ہیں۔ان مستقل تصانیف کے علاوہ اپنی دیگر کتابوں میں بھی انہوں نے تصوف کے حقائق کا طویل ومختصر بیان فرمایا ہے۔ بلکہ ان کی کوئی بھی طویل تحریر اس موضوع پر اظہار خیال، اس کے لطائف کے بیان اور دین کی ایک اساس کی حیثیت سے اس کی طرف دعوت سے خالی نہیں۔

اس موضوع پر حضرت شاہ صاحبؒ کا اظہارِ خیال صرف علم ودانش اور محض گفت وشنید پر مبنی نہیں ہوتا، بلکہ وہ جو کہتے ہیں باطنی احساس، روحانی ذوق ومعرفت اور دید وچشید کے ذاتی تجربے سے فرماتے ہیں۔ان تحریروں سے جہاں اس راہ میں ان کے مقامِ امامت کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں ساتھ ہی ان کے مطالعے سے دین کے ہر صاحبِ فہم کے لیے یہ بھی بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ ایک مکمل اور حقیقی مسلمان بننے کے لیے یہ خاص درجۂ یقین لازمی ہے۔اور قلب میں حقیقتِ ایمان کے رسوخ وقوت کے لیے اِس درجۂ احسان کی تحصیل ضروری ہے۔اور اِس کا بھی ادراک ہوتا ہے کہ تصوف کے ذریعے (اصلاً، کچھ اور نہیں، صرف) ایک خاص قسم کی دینی قوت وروح حاصل ہوتی ہے، جو انبیا علیہم السلام کی خاص الخاص میراث ہے۔اسی دینی قوت سے انسان کو نفس وشیطان کے حملوں کے پیچ اور شہوتِ جاہ ومال کے مقابلے میں طاعت وتقویٰ پر استقامت کی ہمت ملتی ہے۔اور یہی دینی روح حق وباطل کی کشمکش کے درمیان امر خداوندی پر ثبات وعزیمت کا حوصلہ وشوق بھی بخشتی ہے۔ یہ دولت اگر حاصل ہوگئی، سب مل گیا۔ جو یہ نہ ملی تو کچھ حاصل نہ ہوا۔

اس سلسلے میں شاہ صاحب کی ان تحریروں کا ایک حصہ تو اس درجے کا ہے کہ اُس کو بلند مقام اہل عرفان ہی

سمجھ سکتے ہیں، نیز ان میں ایسے مضامین بھی ہیں جو وسیع اور گہری نظر کے علماء کے لیے ہی قابل استفادہ ہو سکتے ہیں۔ لیکن بعض مقامات پر شاہ صاحب نے، تفصیلات سے قطع نظر، اس علم کے اصل بنیادی حصے کی عام فہم تشریح بھی فرمائی ہے۔ اس درجے کی تحریریں بھی سب کے لیے مفید اور مختصر ہونے کے باوجود شاہ صاحب کے غیر معمولی گہرے علم اور عمیق فہمِ دین کی عکاس ہیں۔ انہی میں سے ایک تحریر وہ ہے جو اس وقت پیشِ نظر ہے۔

شاہ صاحبؒ کی نادرۂ روزگار تصنیف ''ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء'' دین میں خلافت راشدہ کے مقام پر ایک بے نظیر ولاثانی شاہ کار اور خلفاء راشدین کے فضائل اور کارناموں پر اسلامی تاریخ کی منفرد کتاب ہے۔ اس میں ''رسالۂ تصوفِ فاروق اعظم'' کے عنوان سے مستقل باب ہے، جو حقیقۃً اس موضوع پر ایک مکمل تصنیف ہے۔ شاہ صاحب نے اس کے آغاز میں موضوع کی ضرورت وافادیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ''حضرت فاروق اعظم سے علومِ تصوف کی جو تعلیمات اور اس سلسلے میں ان کے حال ومقام کی جو تفصیلات کتب حدیث میں موجود ہیں اس کا مکمل احاطہ تو اس وقت ممکن نہیں ہے، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک حد تک ان معلومات کو درج کر دیا جائے، جن سے اس فن کے اہم اصول ومباحث سامنے آجاتے ہیں''۔

شاہ صاحب مزید فرماتے ہیں کہ ''اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ دین کے اس شعبے میں حضرت فاروق اعظم کی علمی بصیرت وعظمت اور عملی جلالت شان کا اظہار ہوگا۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ علم حدیث کا گہرا علم نہ رکھنے والوں کی اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ہو سکے گا کہ تصوف وسلوک کا علم کوئی نئی چیز ہے جس کا صحابہ اور خلفاء راشدین کے یہاں وجود نہیں تھا''۔

تصوف وسلوک کے مقصود اور اس کے طریق پر ایک بے مثال کلام:

اس رسالے کی ابتدا میں تصوف وسلوک کے اصل مقصود اور اس کے حصول کے راستے پر ایک بے مثال کلام کیا گیا ہے۔ جس میں تصوف کا اصولی نظریہ اختصار لیکن پوری وضاحت کے ساتھ آگیا ہے۔ احسان وتصوف کی حقیقت پر اس سے جامع ومختصر اور حقیقت نما کلام (دو تین تحریروں کو چھوڑ کر) راقم سطور کی نظر سے کہیں اور نہیں گزرا ہے۔ یہ مضمون اس راہ کے سالکین بلکہ مشائخ وعارفین کے لیے بھی بصیرت افروز ہے۔ خیال ہوا کہ اس کی تفصیل وتشریح سے جہاں ان عام اہل علم کو فائدہ ہوگا جو تصوف وسلوک کی حقیقت، دین میں اس کے مقام اور ایک ایمانی شخصیت کی تعمیر میں اس کے کردار کو سنجیدگی سے سمجھنا چاہتے ہیں، وہیں اس بصیرت افروز تحریر سے اہل شوق، خصوصا سالکین، کے ذہن میں طریق کا مقصد بھی متعین وواضح ہو جائے گا اور اس کی اہمیت وتاثیر کا تصور بھی پیدا ہوگا۔ نیز حقیقت دین پیدا کرنے میں اس کی کارفرمائی کا شعور واحساس بھی ہوگا۔ یہ شعور واحساس ہم میں طلب پیدا کرے گا

اور سلوک ومجاہدہ کے لیے ان شاء اللہ حوصلوں کو مہمیز کرے گا۔ اور مقصد کے تعین ووضوح سے ان کی نگاہ شوق صرف مقصود ہی کو مطمحِ نظر بنائے گی۔

تصوف کا خلاصہ ومغز تین بنیادی باتوں میں آجاتا ہے:

شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ: شریعت میں جس حقیقت کو ''احسان'' کہا جاتا ہے، اسی کا اصطلاحی نام تصوف ہے۔ اس کے بنیادی تصور کا خلاصہ ومغز تین اصولی نقاط میں آجاتا ہے۔

اول: تصوف وسلوک کا اصل مقصد اعمال صالحہ مثلاً نماز، روزہ اور ذکر وتلاوت کی کثرت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت اور اس کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی باتوں اور وعدوں پر ایک خاص قسم اور خاص درجے کا یقین پیدا کرنا ہے۔

اس جگہ وہ یقین مقصود ہے جو صالحین امت کو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے 'بطریق موہبت' عطا ہوتا ہے، جس کو صوفیہ کی اصطلاح میں ''یادداشت'' کہتے ہیں، یعنی عقل وشعور پر چھا جانے والا یقین، جو زندگی کا رخ موڑ دے اور جذبات بدل ڈالے۔ جس طرح کا علم ویقین آنکھوں دیکھی اور سامنے موجود حقیقتوں پر ہوتا ہے۔ اِس سے مراد یقین کا وہ عام درجہ نہیں جو عقلی دلائل یا تقلید اور مومنین کی اتباع سے عام مسلمانوں کو حاصل ہوتا ہے۔

یہاں غور طلب ہے کہ تمام مسلمان بقدرِ توفیقِ الٰہی اعمالِ خیر کرتے ہیں لیکن ان کو وہ خاص مرتبۂ یقین کیوں حاصل نہیں ہوتا؟ یہ بہت اہم سوال ہے کہ پھر کثرتِ اعمالِ خیر سے وہ یقین کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ شاہ صاحب یہاں اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

کثرتِ اعمال سے یقین پیدا ہونے کے تین شرائط: عارفین امت کے تجربے اور استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال خیر کی کثرت کے ذریعے، اس خاص درجۂ یقین کے حصول کے لیے تین اہم اور ضروری شرائط ہیں۔

(۱) پہلی شرط اخلاص ہے کہ ان اعمال خیر کو کامل اخلاصِ نیت اور صرف رضائے الٰہی کے حصول کے مقصد سے کیا جائے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ اعمال خیر (مثلاً تہجد، صلاۃ الضحیٰ، صبح وشام وغیرہ کی دعائیں اور ذکر) کی مقدار میں کثرت کا اہتمام کیا جائے۔

(۳) تیسری شرط: **''کیفیت خاصہ، کہ عبارت از خشوع وخضوع، وترکِ حدیثِ نفس، وہیئاتِ مذکرۂ خشوع، واذکارِ مقوّیہ آں''**۔ یعنی ان عبادات اور اعمال کو قلب کے پورے حضور واطمینان، خشوع وخضوع، یکسوئی

اور تَبَتُّل وتوجہ الیٰ اللہ کی شان کے ساتھ ادا کیا جائے۔ دورانِ عبادت خیالات کے انتشار (یعنی حدیث نفس) سے پرہیز کی کوشش کی جائے۔ اور ان کیفیات کے پیدا کرنے والی ہیئت اور ظاہری حالت، مثلاً عبادت کے مناسب جسمانی حالت بنائی جائے۔ نیز تواضع اور شکستگی وفروتنی کی ظاہری صورت وغیرہ، کوبھی اختیار کیا جائے۔ ساتھ ہی ایسے اذکار کو زبان سے ادا کیا جائے جو عبدیت وتذلل کے استحضار اور حضور وخضوع کی اِن کیفیات کو پیدا کرنے میں معاون ہوں۔ (ہر وقت اور حالت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسنون و ماثور دعائیں اگر استحضار وتوجہ الیٰ اللہ کے ساتھ پڑھی جائیں تو اس ملکہ کے حصول میں بہت معاون ہوتی ہیں)۔

اس کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں اس کیفیت وحالت کو (دین کا) مرتبۂ احسان کہا گیا ہے۔ اور اس کی وہی تشریح کی گئی ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے (یعنی اعمالِ خیر کی کثرت اور خشوع وخضوع اور ظاہر و باطن کی عبدیت وانابت)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ. كَانُوْا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ. وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ. وَفِيْٓ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ. [الذاريات:16-19]

مطلب یہ ہے کہ وہ آخرت سے پہلے (دنیا میں) ''احسان'' کی صفت سے متصف تھے۔ (یعنی) راتوں میں (قیام اللیل اور ذکر ومناجات کی ایسی کثرت رہتی کہ) کم ہی سوتے تھے۔ پھر صبح دم وہ استغفار وتوبہ میں مصروف ہو جاتے۔ اور ان کے مالوں میں سائل ونادار کا ایک متعین حق طے ہوتا تھا۔

یہ تو قرآن میں عبادات کی کثرت کا حال بیان ہوا۔ حدیث میں احسان کی خاص کیفیت بیان ہوئی ہے کہ: **أن تعبد الله كانك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك**۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی عبادت وبندگی اسطرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ یعنی عبادت کے دوران یہ حالت وکیفیت پیدا کی جائے کہ جیسے اللہ بندے کے سامنے ہے اور بندہ اس کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے، اس لیے کہ اگرچہ بندہ نہیں دیکھ رہا، مگر یہ تو واقعی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے سے نہ غائب ہے نہ دور، وہ بہرحال اُس کو دیکھ رہا ہے۔ دربارِ الٰہی میں حضور وشہود، خشوع وخضوع اور تذلّل ومسکنت کی یہی کیفیت صفت احسان ہے۔

دوم: شاہ صاحب نے اس نقطۂ دوم کے تحت جو لکھا ہے اس میں تصوف کا بنیادی نظریہ نہایت اختصار وجامعیت اور قرآن وسنت میں اس کے ماخذ کے تذکرے کے ساتھ آ گیا ہے۔ نہایت اہم اور غور وتدبر سے پڑھنے کے لائق کلام ہے۔ <u>اس تحریر کا لب لباب یہی نقطۂ دوم ہے۔</u>

ارشاد فرماتے ہیں: تصوف وسلوک کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ دین میں تین طرح کے اعمال وافعال کا حکم

دیا گیا ہے۔ سارا دین انہی تین قسموں میں آجاتا ہے۔

(۱) ایمانیات وعقائد۔

(۲) کچھ جسمانی اعمال وافعال، جیسے نماز، روزہ، زکات۔ اس کے علاوہ معاملات اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی اوران کے ساتھ حسن سلوک۔

(۳) ان کے علاوہ دین میں بہت سے قلبی اعمال واخلاق وکیفیات کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ جیسے اخلاص، اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت اور سب سے زیادہ خوف، زہد وتوکل، صبر وشکر اور دل کا باطنی گندگیوں جیسے کبر وحسد، طمع ولالچ وغیرہ سے پاک رکھنا، وغیرہ، وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ یہ سب قلبی اعمال وجذبات اور کیفیات واحساسات ہیں، جسمانی افعال نہیں۔

دین میں اعمال قلوب کا مقام: جس طرح پہلی دو قسموں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور انسان کی نجات کے لیے ضروری ہیں، اسی طرح یہ آخری قسم بھی ایسی ہے کہ اس کی تحصیل کے بغیر اللہ کی رضا ومحبت اور بندے کی نجات ناممکن ہے۔ اس کے علاوہ قرآن وسنت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کے ظاہری اعمال میں بھی قوت وجان اور روح وطاقت ان باطنی کیفیات وجذبات اور صفات واخلاق سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ ان کے بغیر آدمی کے ظاہری دینی اعمال بھی نہایت ناقص اور مرتبۂ محبوبیت سے فرو وساقط رہتے ہیں۔ ان قلبی اعمال وکیفیات کے بنا انسان حقیقتِ دین سے کورا رہتا ہے، نہ اس کو ظاہری اعمالِ شریعت پر استقامت حاصل ہوتی ہے اور نہ لذات وشہوات سے اجتناب کر پاتا ہے۔ حب دنیا اور مال ومنصب کی خواہش اس کو آخرت کی طرف مائل نہیں ہونے دیتی۔ اور بالفرض اگر اس کو بظاہر اعمال صالحہ کی صورت اور شکل نصیب بھی ہوجاتی ہے، تو ریاکاری وشہرت طلبی سے دامن نہیں چھوٹتا۔ اگر یہی حال باقی رہا تو آخر اسی نامرادی کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوجائے گا۔

تصوف وسلوک کا مقصد قلب مومن میں ان ضروری ولازمی صفات اور بلند و پاکیزہ ایمانی کیفیات واحوال کا پیدا کرنا ہے۔ جب یہ باطنی کیفیات اور صفات قلب میں ایک خاص درجہ میں رچ بس جائیں اور راسخ وثابت اور پائیدار ہوجائیں، تو ان کو تصوف کی خاص اصطلاح میں 'مقامات' کہا جاتا ہے۔ بس یہی 'مقامات' تصوف کا اصل مقصد ومطمح نظر اور صوفیاء کرام کی منزل شوق ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تصوف کا خاص طریق یہی ہے کہ مذکورہ ''یقین'' اور ''صفت احسان'' (جس کو حضور و یادداشت بھی کہا جاتا ہے) کے ذریعہ اِن قلبی عبادات اور مقامات وکیفیات کو دل میں پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ جب کسی مومن بندے کے قلب میں 'یقین' اور 'اللہ تعالیٰ کا حضور' جاگزیں ہوکر اُس

کی شخصیت پر چھا جاتا ہے اور خداوند قدوس کی بارگاہ کا دائمی استحضار حاصل ہوجاتا ہے، تو اس کو غیر اللہ سے کوئی امید نہیں باقی رہتی، صرف اللہ سے امید ہوتی ہے، اس کو کسی غیر سے کوئی ڈر نہیں ہوتا، صرف اللہ سے ہی خوف ہوتا ہے۔ اسباب سے اس کا بھروسہ اُٹھ جاتا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ پر اعتماد و یقین کی شان پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ یقین اس کو ہمت وارادہ کی وہ قوت بخشتا ہے جس سے اس کا جینا مرنا سب کچھ اللہ اور اس کے دین کے لیے ہوجاتا ہے۔ اور جس وقت جس عمل کا حکم شریعت کی رو سے ہوتا ہے وہ اس کو، ہر طرح کی تکلیف برداشت کر کے اور رکاوٹ کو نظر انداز کر کے، کرگزرتا ہے۔ اور مفاد یا راحتِ جسم وجان کی جو قربانی مطلوب ہوتی ہے مردِ خدا کا یہ یقین اس قربانی کو آسان بنادیتا ہے۔

یقیں مثلِ خلیل آتش نشینی یقیں اللہ بینی خود گزینی

استحضار و یقین ہی کو اس طریق میں 'ملکۂ یاد داشت' کہتے ہیں۔ یہی 'نسبتِ حضور' ہے۔ یہی 'مقام شہود' ہے۔ اور یہی حاصل تصوف ہے۔ تصوف کا نظریہ اور ہر دور کے اہل اللہ اور خاصان خدا کا تجربہ (بلکہ کتاب وسنت کی تعلیم) یہی ہے کہ اسی 'یقین وحضور' کے ذریعہ ذوقِ انابت، افتقار الی اللہ، اللہ سے کامل محبت اور خوف، اسی کی ذات سے امید، اسی پر توکل اور بھروسہ کی شان پیدا ہوتی ہے۔ اسی یقین وحضور سے صبر وشکر، زہد واستغنا، رضا باللہ، شدت لامر اللہ، اور تواضع جیسی قلبی و باطنی صفات حاصل ہوتی ہیں۔ اور پھر انہی سحر انگیز قلبی کیفیات سے بندے کے اعمال واخلاق میں حسن ورعنائی اور قوت وہمت کی ایک عظیم شان کا ظہور ہوتا ہے۔ اپنی اِسی طاقت وتاثیر اور کارفرمائی کی وجہ سے ملکۂ یادداشت اور نسبت حضور کی تحصیل پر تصوف میں خاص توجہ مبذول کی جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کی تحصیل کا سب سے مؤثر ذریعہ کثرتِ ذکرُ اللہ ہے۔

سوم: اس کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص پر یقین اس طرح چھا جاتا ہے کہ وہی اس کا ذوق وحال بن جاتا ہے تو پھر اس بندۂ مومن میں ایک خاص شان ظاہر ہوتی ہے۔ وہ جو کہتا ہے، یقین سے کہتا ہے، جو کرتا ہے یقین کی کارفرمائی سے کرتا ہے۔ اس کے دل میں مقامات یعنی اوپر مذکور صفات عالیہ اور پاکیزہ احوال واذواق راسخ و پختہ ہوجاتے ہیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی عطا وموہبت سے اس کے اندر ایک خاص روحانی تاثیر اور مقناطیسی قوت پیدا ہوجاتی ہے، جس کو شاہ صاحب یوں فرماتے ہیں کہ ''اس کے اندر سے ایک جوش نکلتا اور اس کے گردوپیش پر اثر انداز ہوتا ہے''۔ جس سے (عموماً) اس کی شخصیت میں دو میں سے کسی ایک بات کا ظہور ہوتا ہے۔ (۱) یا تو اس کے ہاتھ پر کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔ (۲) یا اس کے ذریعے سے طالبین حق اور مریدین کی تربیت ہوتی ہے۔ یا کبھی دونوں ہی باتیں پائی جاتی ہیں۔ (باقی صفحہ نمبر: ۲۹)

مقالات ومضامین

فوائد وفرائد

مولانا بدر الحسن القاسمی (کویت)

صلاۃ کے ساتھ سلام بھی:

امام شافعی کی کتاب ''الرسالۃ'' امام مسلم کی ''صحیح'' اور ابو اسحاق شیرازی کی ''المھذب'' کے شروع میں صرف صلاۃ بغیر سلام کے لکھا گیا ہے اسی طرح امام بخاری کی ''تاریخ کبیر'' اور ابن عبد البر کی ''التمھید'' میں بھی ایسا ہی ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ یہ غیر مستحب طریقہ ہے کیونکہ حکم تو صلاۃ وسلام دونوں کو ساتھ جمع کرنے کا ہے۔حمزہ العنانی کہتے ہیں کہ میں حدیث لکھتا تو صرف ''صلی اللہ علیہ'' لکھتا تھا ''وسلم'' نہیں لکھتا تھا، تو میں نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں: مالک لاتتم الصلاۃ علیّ؟ اسکے بعد سے میں نے اپنا معمول بنا لیا کہ صلاۃ کے ساتھ سلام بھی لکھا کروں۔علامہ ابن الصلاح نے یہ نقل کیا ہے اور امام الذھبی نے بھی اپنی تاریخ میں اسے ذکر کیا ہے۔اسی طرح عبد الدائم کہتے ہیں کہ میں سلام کے بغیر صرف صلاۃ لکھا کرتا تھا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں: تم اپنے آپ کو چالیس نیکیوں سے کیوں محروم کرتے ہو؟ میں نے دریافت کیا کہ حضور وہ کیسے؟ تو فرمایا کہ جب میرا ذکر آتا ہے تو تم وصلی اللہ علیہ کے بعد ''وسلم'' نہیں لکھتے جس کے چار حروف ہیں اور ہر حرف پر دس نیکیاں ہیں اور آپنے سے اپنے دست مبارک پر شمار کر کے بتلایا (دیکھئے علامہ سخاوی کی فتح المغیث 2162) شیخ عبد الفتاح ابو غدہ کہتے ہیں کہ صرف صلاۃ پر اکتفا کرنا محققین کی رائے میں خلاف اولیٰ ہے۔

ضرب زید عمروا:

امام لغت مبرد سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت داؤد کے پاس آنے والے تو فرشتے تھے جن کی بیویاں تو ہوتی نہیں ہیں، پھر انہوں نے یہ کیسے کہا کہ: ان ھذا اخی لہ تسع وتسعون نعجۃً ولی نعجۃ واحدۃ۔

مبرد نے کہا: ہم لوگ نحو پڑھاتے ہوئے صبح وشام ''ضرب زید عمروا'' مثال کی رٹ لگاتے رہتے ہیں یہاں صرف مثال دینا مقصود تھا کہ اگر ایسا ہوا تو حکم کیا ہوگا؟ عدی ابن النعمان کا قول مشہور ہے کہ بادشاہ سلامت جانتے ہیں یہاں کھڑا یہ درخت کیا کہہ رہا ہے؟ یہ کہہ رہا ہے کہ:

رب رکب قد اناخوا حولنا　　　یشربون الخمر بالماء الزلال

ثم اضحوا لعب الدھر بھم　　　وکذاک الدھر حالا بعد حال

ایک اور شخص کہتا ہے:

شکی الی جملی طول السری　　صبراً جمیلاً فکلانا مبتلي

ایک اور شخص کہتا ہے:

رب قوم غیروا امن عیشهم　　في سرور ونعیم وغدق

سکت الدهر زمانا عنهم　　ثم ابکاهم دما حین نطق

علامہ ابن الجوزی کی دعاء:

الٰهي لاتعذب لسانا یخبر عنک، ولا عینا تنظر الي علوم تدل علیک، ولا قدما تمشي الي مکان عبادتک، ولا یدا تکتب حدیث رسولک ،فبعزتک لاتدخلني النار فقد علم اهلها اني کنت اذب عن دین

”اے اللہ وہ زبان جو آپ کا نام لیتی رہی ہے اور آپ کی حمد وثناء میں مصروف رہی ہے اور وہ آنکھیں جو شرعی علوم کی تحقیق وتنقیح میں لگی رہیں ،وہ قدم جو تیرے دین کی خدمت ہی کیلئے اٹھے اور وہ ہاتھ جو تیرے رسول کی احادیث کے لکھنے میں ساری عمر مصروف رہے، یقینا وہ تیری رحمت کے مستحق ہیں اور تیرے عذاب سے بچائے جانے کے لائق ہیں۔“

امام ابن الجوزی کی یہ دعا بڑی پیاری ہے کہ فرماتے ہیں کہ:”اے اللہ ہمیں جہنم کی آگ میں نہ ڈالئے کیونکہ جہنمیوں کو معلوم ہے کہ ہم تو آپکے دین کی طرف سے دفاع کرنے والوں میں تھے(اسمیں ہمارے لئے بڑی رسوائی ہے)“

امام علي بن الحسین:

الامام زین العابدین رحمه الله کان اذا توضأ اصفر لون وجهه واذا قام الي الصلاة أخذته الرعدة فلما سئل عنها فقال: ماتدرون بین یدي من اقوم؟ ومن اناجي؟!

امام زین العابدین علی بن الحسین جب وضو کرتے تو ان کا چہرہ زرد ہونے لگتا اور جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو ان پر کپکپی طاری ہونے لگتی، کسی نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ میں کس ذات کے سامنے کھڑا ہونے جارہا ہوں؟

ایک شخص نے ان پر غلط الزام لگایا تو فرمایا: **افتری علیه احد فقال: ان کنت کما قلت فغفر الله لیو ان**

لم اکن کما قلت فغفر اللہ لک ''اگر میں ویسا ہوں جیسا کہ تم نے کہا ہے تو اللہ تعالی میری مغفرت فرمائے اور اگر ویسا نہیں ہوں تو اللہ تجھے معاف کرے۔''

مقبول دعاء:

یقول طاووس رأیت علي بن الحسین ساجدا في الحجر فأصغیت الیه فسمعته یقول :"عبیدک بفنائک مسکینک بفنائک سائلک بفنائک فقیرک بفنائک" فو اللہ مادعوت اللہ بها في کرب الا کشف اللہ علي "

خلیل بن احمد کا ناسمجھ بیٹا:

مشہور امام لغت ونحو خلیل بن احمد الفراھیدی کے بیٹے نے باپ کو دیکھا کہ تنہا بیٹھے فاعلات فاعلات کر رہے ہیں وہ شعر کے اوزان کی ایجاد میں مصروف تھے تو کہنے لگا کہ والد صاحب تو پاگل ہو گئے ہیں ، پھر باپ نے کیا کہا؟ پڑھیے:

اتهم ابن خلیل بن احمد الفراهیدي اباه بالجنون حینما راه یردد اوزان الشعر : فاعلات فاعلات فاعلات۔ فقال الخلیل:

لو کنت تعلم ما اقول عذرتني او کنت تعلم ما اقول عذلتکا

لکن جهلت مقالتي فعذلتني وعلمت انک جاهل فعذرتکا

تم اگر میری بات کو سمجھتے تو ایسی احمقانہ بات نہ کہتے اور مجھے پتہ ہے کہ تم اپنی جہالت کی وجہ سے یہ کہہ رہے ہو اس لیے میں تجھے معذور سمجھتا ہوں اور کوئی مواخذہ نہیں کرتا۔

امام رازی کا اعتراف:

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ کا شمار شرعی وعقلی علوم وفنون کی تاریخ کی عظیم ونادرہ روزگار شخصیتوں میں ہوتا ہے خاص طور پر عقلی علوم میں انکی امامت مسلم مانی جاتی ہے انہوں نے تفسیر کبیر (یا مفاتیح الغیب) لکھی۔ اصول فقہ کی ''المحصول من علم الاصول'' فلسفہ وحکمت کی ''المباحث المشرقیۃ''، علم کلام کی ''تاسیس التقدیس'' اور بہت سی دوسری نادر کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ ان کی تفسیر پر روایت پسند حلقوں کی طرف سے تنقید کے باوجود اس خصوصیت کا اکابر اہل علم اعتراف کرتے آئے ہیں کہ قرآن فہمی میں بیحد معاون تفسیر ہے۔ ملحدین اور منکرین کے ذہن میں جتنے اشکالات پیدا ہو سکتے تھے وہ سب ذکر کر کے جواب دینے کی انہوں نے کوشش کی ہے،

گو کہ ہر جگہ جواب اطمینان بخش نہ دے سکے ہوں، ان کی عقلی علوم سے دلچسپی ضرب المثل بن گئی تھی، چنانچہ ان کے ذکر پر لوگ مجبور ہوتے تھے:

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز وساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

اور ظاھر ہے کہ ان کے زمانہ کے عقلی علوم یونانی منطق وفلسفہ ہی تھے۔ پیچ وتاب والے یہ رازی اور ساری زندگی عقلی گتھیوں کو سلجھانے میں مصروف رہنے والی عظیم شخصیت آخری عمر میں یہ کہہ کر اس دنیا سے رخصت ہوئی:

نهاية اقدام. العقول عقال — وغاية سعي العالمين ضلال
ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا — سوي ان جمعنا فيه: قيل وقالوا

اور یہ بھی کہ: **لقد تأملت الفرق الكلامية والمناهج الفلسفية فما رأيتها تشفي عليلا ولا تروي غليلافمن جرب تجربتي عرف مثل معرفتي.**

"میں نے ساری عمر متکلمین کے اصولوں پر غور وفکر کیا اور فلاسفہ کے طریقوں کو آزمانے کی کوشش کی اور ان پر ہی غور وخوض کرتا رہا تو اندازہ یہ ہوا کہ یہ اصول قطعی بے سود ہیں ان سے نہ تو عقلی الجھنیں دُور ہوتی ہیں اور دلوں کو تسکین ہوتی ہے یعنی نہ بیماری سے شفا ملتی ہے اور تشنگی ہی دور ہوتی ہے اور جو بھی میری راہ پر چلے گا اور میری طرح ان کوچوں کی خاک چھانے گا اسے بھی اس بات کا یقین ہوجائے گا۔

ایک فقیر کی دعا:

امام اوزاعیؒ کا بیان ہے کہ غلاف کعبہ کو پکڑ کے ایک فقیر دعا کر رہا تھا:

يارب اني فقير كناتري، وصبيتي عروا كماتري، وبردتي قدبليت كماتري فماتري فيماتري يامن يري ولايري۔

"اے اللہ! میں فقیر ومحتاج ہوں جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے اور میرے بچوں کے بدن پر کپڑے نہیں ہیں جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے اور میرے جسم کے کپڑے بھی انتہائی بوسیدہ ہوگئے ہیں جیسا کہ تیری نظروں کے سامنے ہے تو اے وہ پاک ذات جو سب کو دیکھتی ہے اور اسے کوئی نہیں دیکھتا جو کچھ تو دیکھ رہا ہے اس کے بارے میں تیرا فیصلہ کیا ہے؟ تو پیچھے سے آواز آئی: **يا عاصم الحق عمک بالطائف هلک فيه وخلف: الف نعجة وثلاثمائة ناقة واربعمائة دينار واربعة عبيد وثلاث اسياف يمانية فامض فخذها فليس له الوارث غيرک۔**

"اے عاصم! جلد طائف جاو جہاں تمہارے چچا کا انتقال ہوگیا ہے،اس نے ایک ہزار بکریاں، تین سو اونٹ ، چار سو دینار، چار غلام اور تین یمنی تلواریں چھوڑی ہیں۔جاؤ اور وہ سب اپنے قبضہ میں لے لو۔تم ہی اس کے وارث ہو،تمہارے علاوہ کوئی دوسرا اس کا وارث نہیں ہے۔

امام اوزاعی نے اس سے کہا کہ تم نے جسے پکارا تھا وہ ذات تم سے بیحد قریب تھی کہ اس نے اتنی جلد تیری دعا سن لی ۔یاهذا ان الذي دعوته كان قريبا منک تو اس نے کہا:یا هذا اما سمعت قوله تعالي :(اذا سألک عبادي عني فاني قريب أجيب دعوة الداع اذا دعان) البقرة١٨٦

علامہ کاسانی اور فاطمہ سمرقندیہ:

فقہ حنفی کی بے مثال کتاب "بدائع الصنائع" کے مصنف امام کاسانیؒ کے بارے میں مورخ ابن العدیم کا بیان ہے کہ ان کی وفات کا وقت قریب ہوا تو امام کاسانی نے سورہ ابراهیم کی تلاوت شروع کردی اور جب آیت کریمہ:يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت) پر پہنچے تو ان کی روح پرواز کرگئی اور انہیں حلب میں انکی اہلیہ محترمہ فاطمہ سمرقندیہ کی قبر کے پاس ہی دفن کیا گیا جو خود بھی بلند پایہ فقیہہ اور فاضل خاتون تھیں۔ امام کاسانی نے اپنے شیخ علامہ سمرقندی کی مشہور کتاب "تحفۃ الفقہاء" کی شرح لکھی تو انہوں نے اپنی پیکر جمال اور فقہی بصیرت رکھنے والی بے مثال و باکمال بیٹی ان کے نکاح میں دیدی۔پھر تو لوگوں کی زبان پر یہ جملہ مشہور ہوگیا:"شرح تحفتہ وتزوج ابنتہ ۔

"قبرالمرأۃ وزوجہا" کے نام سے وہ قبر ابتک مشہور چلی آرہی ہے

امام محمد کا خوف:

امام محمد بن الحسن الشیبانی متوفی 189ھ کے بارے میں امام ذھبی اور دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ: قيل ان محمد لما احتضر جعل يبكي قيل له أتبكي انت مع هذا العلم ؟قال : أرأيت ان اوقفني الله و قال : يا محمد ما اقدمک الي الري؟الجهاد في سبيلي أم ابتغاء مرضاتي؟ماذا اقول؟(سیر اعلام النبلاء١٣٦٩)

امام محمد اپنی جانکنی سے پہلے رو رہے تھے تو کسی نے کہا کہ اتنا علم رکھنے کے بعد بھی آپ رو رہے ہیں؟تو انہوں نے کہا کہ رونا اس بات پر ہے کہ اگر اللہ تعالی نے یہ سوال کرلیا کہ یہاں شہر رے میں تم کیوں آئے تھے ؟ کیا جہاد کے لیے تمہارا آنا ہوا تھا یا میری خوشنودی اور رضا کے حصول والے کسی اور کام سے آئے تھے؟ تو میرے پاس اس سوال کا کیا جواب ہوگا؟!۔

امام ذھبی فرماتے ہیں: کان محمد بن الحسن من بحور العلم والفقه قویا فی مالک (المیزان ۵۱۳۳)
''امام محمد علم وفقہ کے بحر بیکراں تھے اور امام مالک سے روایت حدیث میں ان کا رتبہ بہت بلند تھا۔''

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: مارأت عینای مثل محمد بن الحسن ولم تلد النساء مثله (مناقب الشافعي للبیهقي ۱۶۱۱) ''میری ان آنکھوں نے محمد بن الحسن جیسی کسی اور شخصیت کو نہیں دیکھا اور نہ عورتوں نے ان کے جیسے کسی اور باکمال شخص کو پیدا کیا ہے۔''

امام محمد خلیفہ ہارون الرشید کے ساتھ قاضی کی حیثیت سے شہر رے میں تھے کہ ان کا وقت موعود آپہنچا، اسی لیے ان کو یہ احساس ہوا اور ان پر گریہ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اسی دن امام نحو الکسائی کی بھی وفات ہوئی۔ ہارون الرشید نے کہا کہ غم اس لئے اور دوبالا ہوگیا ہے کہ آج ہم نے اس شہر میں فقہ اور نحو دونوں ہی علوم کو دفن کر دیا ہے۔

امام ابو یوسف کی اپنے رب سے التجا:

امام ابو یوسفؒ جو خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز رہے جب ان کی وفات کا لمحہ قریب آیا تو اپنے رب سے خطاب کر کے کہنے لگے: **اللّٰھم انک تعلم أني لم اکل درھما حراما قط وانا اعلم** پھر فرماتے ہیں: **اللّٰھم انک تعلم انی لم أجر فی حکم حکمته بین عبادک متعمدا وقد اجتھدت فی الحکم لما وافق کتابک وسنة نبیک وکلما اشکل علی جعلت أبا حنیفة بینی وبینک وکان عندی والله ممن یعرف أمرک ولا یخرج عن الحق وھو یعلم**

''اے اللہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں نے کبھی دانستہ حرام کا ایک درھم بھی نہیں کھایا ہے اور اے اللہ یہ بھی آپ کے علم میں ہے کہ میں نے آپ کے بندوں کے درمیان جو بھی فیصلے کئے ہیں ان میں کبھی کسی پر دانستہ ظلم نہیں کیا ہے۔ میں نے اپنے فیصلوں میں اس کی پوری کوشش کی ہے کہ فیصلے آپ کی کتاب اور آپ کے نبی کی سنت کے مطابق ہوں اور جب کبھی آپ کے کسی حکم کو سمجھنا میرے لئے دشوار ہوا تو وہاں میں نے ابوحنیفہ کو اپنے اور آپ کے درمیان واسطہ بنایا ہے، یعنی انکی سمجھ پر اعتماد کیا ہے اور یہ اس لیے کہ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میری نظر میں آپ کے دین کے احکام کی انکو اچھی معرفت حاصل تھی اور وہ کبھی بھی دانستہ حق کے خلاف نہیں جا سکتے تھے۔

امام ابوالقاسم القشیری کا مقام:

دعوت واصلاح کی تاریخ کے گوہر شب چراغ اور زاہد شب زندہ دار امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن القشیری کو کون نہیں جانتا؟ ان کا ''رسالہ قشیریہ'' آج بھی اصلاح نفس کا ذریعہ اور زہد وتقویٰ کے طلب گاروں کے لیے چراغ

راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ان کو شرعی علوم میں بھی پورا درک حاصل تھا ''التیسیر'' کے نام سے انہوں نے ایک تفسیر بھی لکھی تھی۔اس کے علاوہ ''لطائف الاشارات'' اور ''المناجاۃ'' وغیرہ کے نام سے اور بھی کئی کتابیں ان کی یادگار ہیں، لیکن ''رسالہ قشیریہ'' کو خاص شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی، ابوالحسن الباخرزی نے اپنی کتاب ''دمیۃ القصر'' میں امام قشیری کی غیر معمولی روحانی طاقت اور اللہ کی توفیق سے دلوں کی اصلاح کی بے پناہ قدرت اور تاثیر کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: **لو قرع الصخر بسوط تحذيره لذاب ولو ربط ابليس ببابه لتاب**۔''ان کی ڈانٹ ڈپٹ اور جھڑکیوں کے کوڑے اگر پتھر کی چٹان پر پڑتے تو پتھر بھی پگھل جاتا اور اگر ان کی مجلس میں ابلیس کو لاکر باندھ دیا جاتا تو وہ بھی اپنی سرکشی سے تائب ہوجاتا'' (دمية القصر للباخرزي ۲ ۹۹۳)

سمعانی کہتے ہیں کہ علم وعمل کی جامعیت اور مختلف علوم وفنون میں مہارت میں ان کے زمانہ میں کوئی بھی ان کا ہم پایہ نہیں تھا، وہ شریعت وطریقت کے جامع انسان تھے: **لم ير الاستاذ ابو القاسم مثل نفسه في كماله وبراعته جمع بين الشريعة والحقيقة**۔

ابوعلی الدقاق کی صحبت میں رہے، ان کی صاحبزادی ہی سے ان کا نکاح بھی ہوا اور انہوں نے ہی طلب علم کا مشورہ دیا تھا تو حدیث کا علم ابوالحسن الخفاف اور عبدالرحمٰن المزکی وغیرہ سے اور فقہ واصول کا علم ابوبکر الطوسی ابواسحاق الاسفرائینی اور ابن فورک وغیرہ سے حاصل کیا خاص طور پر ابواسحاق اسفرائینی کی صحبت میں عرصہ دراز تک رہے، پھر ابومحمد الجوینی اور ابوبکر البیہقی کے ساتھ حج کا سفر کیا اور اس سفر میں حجاز وبغداد کے بڑے علماء سے حدیث کی سماعت بھی کی۔ابوعلی الدقاق نے ہی ان کو تصوف کی راہ پر ڈالا جس سے وہ نہایت ہی اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے۔ان کو وعظ وتذکیر کا اللہ تعالیٰ نے خاص سلیقہ اور موثر اسلوب دیا تھا۔جس سے دل کی دنیا بہت جلد بدل جایا کرتی تھی۔باخرزی کہتے ہیں کہ: **كلماته للمستفيدين فرائد وعتبات منبره للعارفين وسائد** ''ان کی باتیں حاضرین کیلئے بیش بہا موتی کی حیثیت رکھتی تھیں اور ان کے وعظ ونصیحت کی پائیگاہ عارفین کی پناہ گاہ تھی۔''

وہ اچھے شعر بھی کہتے تھے:

سقي الله وقتا كنت اخلو بوجهكم — وثغر الهوي في روضة الانس ضاحک

أقمت زمانا والعيون قريرة — وأصبحت يوما والعيون سوافک

امام قشیری کی وفات نوے سال کی عمر میں 465ھ میں ہوئی''المختصر فی اخبار البشر'' میں موید نے لکھا ہے کہ شیخ ابو القاسم القشیری کو ایک گھوڑا ہدیہ میں دیا گیا تھا جس پر وہ تقریباً بیس سال سواری کرتے رہے شیخ کے انتقال کے بعد گھوڑے نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور ایک ہفتہ بعد وہ بھی اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔وللہ فی خلقہ شئون؛

آیئے مدارس کوتربیتی پہلو سے سنواریں

مولانا محمد طاہر سورتی

آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے ایک مضمون اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تیار کیا تھا۔ابھی اسے افادہ عام کے لیے نشر کرنے ہی والا تھا کہ ایک مؤقر رفیق جناب مولانا طارق علی عباسی زیدمجدہم نے ایک چھوٹا لیکن بے حد اہم اقتباس بھیجا۔اب اسی کو مضمون کے شروع میں چسپاں کررہا ہوں۔دل سے موصوف محترم کا شکریہ ادا کرتا ہوں!وھوہٰذا:

تعلیم وتدریس کے لیے ضروری ہدایات:از:حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم سکھروی رحمۃ اللہ علیہ کو تعلیم وتدریس کے متعلق ہدایات دیتے ہوئے ایک خط میں لکھتے ہیں:''سب سے پہلا فرض تصحیحِ نیت ہے کہ مقصد تنخواہ نہ ہو، بلکہ خدمتِ علم۔دوسری ضروری بات یہ ہے کہ جو کتاب پڑھائیں، اوّل اس کے خود سمجھنے کی پوری کوشش کریں، سمجھ میں نہ آئے تو دوسرے علماء سے دریافت کرنے میں عار نہ کریں۔تیسری بات یہ ہے کہ اپنا فرض صرف سبق پڑھا دینا نہ سمجھیں، بلکہ یہ کہ طالب علم کے سینے میں ڈالنا ہے، اس کی ہر ممکن تدبیر عمل میں لائیں۔چوتھی یہ کہ ان کو صرف علم سکھانا مقصد نہ رہے، مسلمان بنانا اصل مقصد ہو، اعمال واخلاق کی نگرانی رکھیں، ان اُمور کو اگر آپ نے صحیح طور سے استعمال کیا تو یہ مدرسہ ہی آپ کے لیے خانقاہ کا کام دے گا۔(سوانح حیات، حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم سکھروی رحمۃ اللہ علیہ، صفحہ: ۴۴۵/مطالعاتی پیشکش:طارق علی عباسی)۔

اب اس گنہ گار کی معروضات ملاحظہ فرمائیں:

اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص، اس کے فضل وعنایت سے ہمارے یہاں میں نظامِ تعلیم کی پختگی کے ساتھ ساتھ تربیتی پہلو کو بھی خوب سے خوب تر بنانے کی فکر کی جارہی ہے۔جو دینی مدارس کے قیام کا مرکزی و بنیادی مقصد ہے۔ہر ماہ میں ایک مرتبہ شب تزکیہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔جس میں نماز عشاء کے بعد مختصر ترغیبی بات کی جاتی ہے۔تمام طلبہ کو سونے کے آداب وسنن بتا کر اس کے مطابق سونے کی تاکید کی جاتی ہے۔سب کو تہجد کے لیے بیدار کیا جاتا ہے۔تہجد کے بعد دعا ذکر وتلاوت کروائی جاتی ہے۔نماز فجر کے بعد مختصر ترغیبی گفت گو کے بعد چھٹی ہوتی ہے۔اس سلسلے کا مقصد یہ ہے کہ:طلبہ میں اعمال کا شوق پیدا ہو، وہ معمولات کے پابند بنیں، گناہوں اور لایعنی سے احتراز

کریں، اپنے اندر عادات واخلاقِ حسنہ پیدا کریں۔بعض اساتذہ اپنے اپنے طور پر نماز اشراق وچاشت وغیرہ کے فضائل بتا کر انہیں پڑھواتے ہیں۔پچھلے تقریباً تین ہفتوں سے یہ ہورہا ہے کہ جمعرات کے دن اساتذہ اپنے سبق کے آخری دس پندرہ منٹ میں: فضائل یوم جمعہ،فضائل تبکیر الی الجمعہ،فضائل سورۂ کہف،فضائل کثرت درود شریف بروز جمعہ،فضیلت صلاۃ التسبیح جمعہ کی ساعت اجابت کی اہمیت سناتے ہیں۔ان کو مذکورہ جملہ امور پر عمل کا شوق دلاتے ہیں، وعدے کراتے ہیں۔

ماشاءاللہ طلبہ پورے ذوق وشوق اور جوش وخروش کے ساتھ اعمال ادا کرتے ہیں۔بہت سے طلبہ شب جمعہ میں ازخود صلاۃ التسبیح پڑھتے ہیں۔کبھی یہ صورت حال تھی کہ اذانِ جمعہ کے بعد بھی مسجد خالی نظر آتی تھی، وہاں اب یہ حالت ہے کہ کھانے سے فارغ ہوتے ہی طلبہ ذاتی فکر وشوق سے مسجد پہنچ کر اعمال میں لگ جاتے ہیں، جب کہ نہ کوئی نگرانی کرنے والا ہوتا ہے، نہ اللہ تعالی کے سوا انہیں کوئی دیکھنے والا ہوتا ہے۔۔فللہ الحمد علیٰ ہٰذا۔

سنیچر کے دن تمام اساتذہ اپنے ماتحت طلبہ سے کارگزاری لیتے ہیں: ۱۔نماز جمعہ کے لیے کون کتنے بجے مسجد گیا تھا؟۔ ۲۔کس نے صلاۃ التسبیح پڑھی؟۔ ۳۔کس نے کتنا درود شریف پڑھا؟۔ ۴۔غروب سے کتنی دیر قبل مسجد میں پہنچے تھے؟۔ان تمام امور کو اسماء طلبہ کے ساتھ ایک پرچے میں درج کرکے؛ بعد دست خط استاذ دفتر میں جمع کرایا جاتا ہے۔گزشتہ جمعہ جملہ طلبہ کے درود شریف کی مجموعی تعداد گیارہ لاکھ سے متجاوز تھی۔وللہ الحمد علیٰ ذٰلک۔بروز شنبہ مدرسے کے بورڈ پر حوصلہ افزا مضمون مع تحسینی کلمات مع مجموعی تعداد درود شریف لکھا جاتا ہے۔نیز اساتذہ کے گروپ میں مختصر کارگزاری مع تحسین وشکریہ لکھی جاتی ہے۔

الحمدللہ! محسوس ہورہا ہے کہ طلبہ ان اعمال کو پوری بشاشت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔جب کہ چند ماہ قبل کی صورت حال یہ تھی کہ صلاۃ التسبیح،سورۂ کہف و درود شریف کا تو کیا ذکر؛ نماز جمعہ کے لیے پہنچنے میں بھی طلبہ بڑی کوتاہی وغفلت میں مبتلا تھے۔اس صورت حال پر قابو پانے کے لیے سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ مختلف درجات کے طلبہ کی تربیتی ذمے داری مختلف اساتذہ کے حوالے کی گئی۔

اس ساری تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ آپ حضرات بھی اپنے یہاں ان امور کو بہ تدریج اپنانا شروع فرمائیں تاکہ ہمارے یہ طلبۂ عزیز طالب علمی کے زمانے سے ہی عمل کے بھی عادی بن جائیں۔

تجربہ یہ ہوا کہ ہم ذرا سا اشارہ کرتے ہیں اور طلبہ جان چھڑکنے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔ہمیں اس صورت حال سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔

یہ کوئی وقتی چیز نہیں ہے۔یہ ایک تحریک ہے، ان شاءاللہ ہم سب کا مشن ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ یہ اعمال وعادات

طلبہ پورے ذوق وشوق سے بذات خود انجام دینے کے عادی بنیں، اوران کے ایسے گرویدہ ودل دادہ بنیں کہ اپنا معہود نصاب مکمل کرنے کے بعد جہاں بھی جائیں، اعمال وعاداتِ حسنہ عالیہ کی یہ بیش قیمت سوغات بھی ساتھ ہی لے جائیں، خود بھی عمر بھر ان پر کار بند رہیں، اور پوری فراوانی کے ساتھ ان کی سخاوت کریں۔اور یہ بات سختی، زدو کوب ڈانٹ ڈپٹ، نیز زجر وتوبیخ سے پیدا ہونے سے رہی۔اس کے لیے ہمیں مکمل شفقت محبت نرمی ودل سوزی سے کام لینا ہوگا۔ان اعمال کے مستند فضائل بار بار طلبہ کو سنانے ہوں گے، پوری قوت اور اعتماد کے ساتھ انہیں ان پر عمل کرنے کے لیے آمادہ کرنا ہوگا۔خود ہمیں ان معمولات کی ادائیگی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا ہوگا۔ساتھ ہی خوب دعاؤں کا بھی اہتمام کرنا ہوگا۔ان شاءاللہ۔

یہ انتہا نہیں، ابتدا ہے، ان شاءاللہ ارادہ ہے کہ آہستہ آہستہ، مرحلہ وار وقتاً فوقتاً اس طرح کے اعمال کے فضائل طلبہ کو سنا کر انہیں شوق دلا کر عمل پر آمادہ کیا جاتا رہے۔تاکہ قوم وملت کا یہ بیش قیمت سرمایہ جب اپنے سروں پر ذمے داری کا تاج سجا کر میدان عمل میں قدم رنجہ ہو رہا ہو، تو علم ظاہر کے ساتھ علم باطن سے بھی کافی حد تک مانوس ہونے کے ساتھ خود اعتمادی وتعلق مع اللہ کے کسی درجے میں - قابل اطمینان سطح تک پہنچ چکا ہو۔اور کام کے لیے وہ جس علاقے کا انتخاب کرے، کم از کم وہاں محنت کر کے کچھ عمل کا ماحول بنانے کے قابل ہو چکا ہو۔وہ اعمال صالحہ دوبارہ - کم از کم - پہلی حالت کے قریب ہو جائیں، جن کے فضائل وفوائد براہ راست قرآن وحدیث میں وارد ہوئے ہیں، جن کا عملی اہتمام امت مسلمہ کے خیر القرون میں اور اس کے بعد طویل عرصے تک زندہ رہا، جب سلاطین کی یہ حالت تھی کہ بالغ ہونے کے بعد کبھی ان کی تہجد وسنت عصر فوت نہیں ہوتی تھی۔پھر وہ مدھم ہوتے ہوتے آج تشویش ناک صورت حال اختیار کر چکا ہے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ وہ وقت آ جائے کہ مزید کچھ وقفہ گزرنے کے بعد یہ باتیں صرف کتابوں کی زینت بن کر طاق نسیاں میں جگہ بنا لیں۔

آج تبکیر الی الجمعہ، نماز تہجد، تلاوت قرآن، ذکر وتسبیح، دعا ومناجات جیسے اعمال عموماً اجنبی سمجھے جانے لگے ہیں۔جب کہ یہی امور کبھی امت کے بڑے طبقے کے لیے عزیز از جان اور اس کی روحانی غذا ہوا کرتے تھے۔بات کہنے کی نہیں لیکن اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نظر نہیں آتا کہ امت کے قائدین کی ایک بڑی تعداد اعمال مذکورہ بالا کے معاملے میں تشویش ناک حد تک غفلت کوتاہی، بے دلی بل کہ - خاکم بدہن - بددلی تک کا اظہار کرنے لگ گئی ہے۔

بات اگر اعمال مسنونہ تک محدود ہوتی تب بھی نا قابل تحمل تھی۔لیکن آج نوبت بایں جا رسید کہ علماء - بالخصوص نوجوان فضلاء - فرائض خصوصاً نماز فجر کے مسئلے میں انتہا درجے کی غفلت کے مریض ہیں۔نماز تہجد، اشراق وچاشت کا تو وسوسہ تک نہیں آتا۔مدارس اسلامیہ میں زیر تعلیم قابل ذکر تعداد فرض نمازوں میں غفلت کا شکار ہے۔ان کا تو

شمار بھی مشکل ہے جو سنن مؤکدہ نہیں پڑھتے۔ نہ اہل مدرسہ کو اس کی کوئی فکر ہے۔ نہ تلاوت قرآن کا عادی بنانا ہے، نہ دیگر اعمال کا شوق دلا کر پابند بنانا ہے۔ نہ ان کی تہذیب اخلاق کی فکر ہے، نہ ان کے تزکیۂ نفس و روحانی اصلاح کا خیال ہے۔ آخر کلکم راع و کلکم مسؤول عن رعیته کے عموم میں ہم اہل مدارس (بشمول مدرسین) نے کس دلیل کی بنیاد پر تخصیص کی ہے؟، ہم آخر کس بنیاد پر مطمئن ہو بیٹھے ہیں کہ اس معاملے میں ہم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی؟ جب علماء امت، قائدین ملت ان نورانی اعمال و روحانی اشغال سے دور و نفور ہوں گے، تو امت کے افراد میں آخر یہ امور کیوں کر رواج پائیں گے؟۔

(بقیہ؛ سوات واقعہ: لمحۂ فکریہ، احتساب اور اصلاح کی حکمتِ عملی)

7۔ ماہنامہ وفاق کا باقاعدہ مطالعہ:

مدارس کے ذمہ داران اور اساتذہ کو چاہیے کہ وہ ماہنامہ وفاق المدارس کا مسلسل مطالعہ کریں، تاکہ انہیں وفاق کی پالیسی، فکری رہنمائی اور تازہ ترین ہدایات سے آگاہی حاصل رہے۔

8۔ اکابرینِ وفاق سے رابطہ و مشاورت:

ہر سطح پر اکابرینِ وفاق اور ضلعی، صوبائی و مرکزی ذمہ داران سے مستقل رابطہ، مشورہ اور رہنمائی کا تعلق استوار رکھا جائے، تاکہ انفرادی مسائل اجتماعی رہنمائی سے حل ہوں اور نظام مستحکم ہو۔-ہمیں یہ سب اس لیے بھی کرنا ضروری ہے کہ: ایسے واقعات کی وجہ سے ہم سب دفاعی پوزیشن میں آجاتے ہیں۔ سوشل میڈیا کے تیز طوفان میں کوئی وضاحت مؤثر نہیں رہتی، اور اس کا دفاع کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور نقصان اجتماعی طور پر سب کو ہوتا ہے۔ اداروں کی برسوں کی خدمات اور عوامی اعتماد مجروح ہوتا ہے۔ مخالفین کو پورے نظامِ دینی تعلیم کو نشانہ بنانے کا موقع مل جاتا ہے۔ والدین، طلبہ اور معاشرے کا اعتماد متزلزل ہونے لگتا ہے۔-آپ کی آراء اور تجاویز کی قدر کی جائے گی: آپ تمام ذمہ دارانِ مدارس سے گزارش ہے کہ آپ بھی اس حوالے سے ضرور غور فرمائیں، اور اگر آپ کے ذہن میں کوئی مزید مفید تجویز یا پہلو ہو کہ ہم اس نظام کو مزید بہتر، مؤثر اور پائیدار کیسے بنا سکتے ہیں، تو ضرور دفتر وفاق کو اپنی تجاویز ارسال فرمائیں، تاکہ ہم ان افسوسناک واقعات کے تدارک میں اجتماعی طور پر کامیاب ہو سکیں۔ یقیناً یہ اجتماعی سوچ اور عمل ہی ہے جو نہ صرف ہمارے اداروں کو بدنامی سے محفوظ رکھے گا بلکہ ان کی روحانی، اخلاقی اور علمی عظمت کو مزید روشن کرے گا۔ ان شاء اللہ۔

استاذ کے ادب پر سلف صالحین کی نگارشات

مولانا عصمت اللہ نظامانی
استاذ: جامعہ دارالعلوم کراچی

اصل موضوع شروع کرنے سے قبل چند باتیں بطور تمہید ملحوظ رہیں:

الف......اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جب تک طالبِ علم کو اپنے دل میں آنے والے سوالات، استاد کی تقریر ودرس میں پیدا ہونے والے شبہات، نصابی کتب کی عبارات پر وارد ہونے والے اشکالات استاد کے سامنے پیش کرنے اور انہیں حل کرنے کی اجازت نہ ہو، بالفاظِ دیگر اگر طالبِ علم کو حصولِ علم کے سلسلے میں آزادیٔ اظہارِ رائے حاصل نہ ہو، بلکہ ایک قسم کا ذہنی غلام ہو، اور اس کو اپنے اساتذہ کی ہر بات آنکھ بند کر کے ماننے کا پابند کیا جائے تو ایسی صورت میں بالیقین طالبِ علم کا نقصان ہوگا، اور ایسا کرنا اس کو علم سے محروم رکھنے کے مترادف ہوگا۔لہٰذا زیرِ نظر مضمون میں ایسی کسی بات ترغیب نہیں دی جارہی، بلکہ یہ بیان کیا جائے گا کہ حصولِ علم میں معاون مذکورہ بالا تمام امور کی اجازت کے باوجود طالبِ علم اپنے اساتذہ کا ادب اور احترام کرے، جوکہ تحصیلِ علم کے اسباب میں سے اہم ذریعہ وسبب ہے۔

ب......جس طرح محترم اساتذہ کے آداب ہیں جن کا لحاظ ہر طالبِ علم پر لازم ہے، اسی طرح طلبہ کرام کے بھی حقوق ہیں جن کی ادائیگی ہر معلم واستاد پر ازبس ضروری ہے، اور اپنے پیشے کے ساتھ وفاداری بھی۔لہٰذا ان کے حقوق میں کوتاہی سے صرف طلبہ کا نقصان نہیں ہوگا، بلکہ معلم بھی اس ضرر سے محفوظ نہیں رہے گا۔

ج......استاد کا ادب واحترام کرنا، ان کی عزت وتوقیر، اعزاز واکرام کرنا، ان کی راحت رسانی وآرام کے سلسلے میں کوشاں رہنا، ان کے سامنے تواضع وانکساری سے پیش آنا، اور انہیں ادنیٰ تکلیف واذیت پہنچانے سے بھی گریز کرنا ہر طالب علم پر لازم ہے، خواہ وہ ابتدائی درجات کا متعلم ہو یا درجاتِ عالیہ اور دورۂ حدیث وتخصص کا طالب علم ہو۔ اور استاد بھی چاہے بخاری شریف پڑھانے والا ہو، یا علم منطق، ابتدائی صرف ونحو یا علوم عصریہ کا مدرس ہو۔ بہرصورت ان کا ادب لازم ہے۔ چنانچہ اس بارے میں امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے:

أمرنا أن نتواضع لمن نتعلم منه۔(۱)

ترجمہ: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم جس سے علم حاصل کریں، اس کے سامنے تواضع وعاجزی اختیار کریں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

اعلم بأن المتعلم لا ينال العلم ولا ينتفع به إلا بتعظيم العلم وأهله، وبتعظيم أستاذه۔(۲)

ترجمہ: ”جان لو کہ طالب علم علم حاصل نہیں کرسکتا اور نہ اس سے نفع اٹھا سکتا ہے، مگر علم، علماء اور اپنے استاد کی تعظیم واحترام کے ساتھ۔“

اورعلامہ خادمیؒ ”بریقہ محمودیہ“ میں لکھتے ہیں:

ومن أسباب انقراض العلم عدم مراعاة حق المعلم، قيل: من تأذى منه أستاذه يحرم بركة العلم ولا ينتفع به إلا قليلا۔(۳)

ترجمہ: ”علم ختم ہونے کے اسباب میں سے ایک استاد کے حق کی رعایت نہ رکھنا بھی ہے، ایک قول ہے کہ جس سے اس کا استاد اذیت محسوس کرے، وہ علم کی برکت سے محروم رہتا ہے، اور اس سے بہت کم فائدہ اٹھاتا ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ اہلِ دنیا جس طرح حاکم وسلطان کی تعظیم کرتے ہیں، اسی طرح ہمارے اسلاف واکابرین اپنے اساتذہ کا ادب واحترام کرتے تھے، چنانچہ امام عبدالرحمن بن ابی لیلیٰؒ کے بارے میں مشہور تابعی محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں:

رأيت عبدالرحمن بن أبي ليلى وأصحابه يعظمونه ويسودونه ويشرفونه مثل الأمير۔(۴)

ترجمہ: ”میں نے عبدالرحمن بن ابی لیلی کو دیکھا، اس حال میں کہ ان کے ساتھی وشاگرد حاکم وامیر کی طرح اس کی تعظیم اوراعزاز واکرام کرتے تھے۔“

ذیل میں مختصرطور پر استاد ومعلم کے ادب واحترام کے سلسلے میں اپنے اکابرین واسلاف کے فرمودات اور نگارشات پیش کی جارہی ہیں، تاکہ طالب علم انہیں حرزِ جان بناکر اپنے خانۂ دل میں محفوظ کرلے، اوران پر عمل پیرا ہو۔

غیرمشہوراساتذہ کے ادب میں کمی:

طلبہ کرام میں یہ کوتاہی بکثرت دیکھی گئی ہے کہ وہ ان اساتذہ کا بہت ادب واحترام کرتے ہیں جو مشہور ہوں، جنہیں تصنیف وتالیف کی وجہ سے شہرت حاصل ہو، یا تقریریں اور بیانات کرنے کی وجہ ان نام زبان زدعام ہو، یا کسی دوسری وجہ سے مدرسہ کے اندر اور باہر لوگوں میں معروف ہوں، لیکن وہ معزز اساتذہ جو شہرت وناموری سے کوسوں دور بھاگتے ہوں، جو ہمہ وقت اپنے درس وتدریس اور مطالعۂ کتب میں مشغول ہوں۔ ان کا زیادہ ادب

واکرام نہیں کیا جاتا۔ گویا کہ ادب کا سبب شہرت ہوئی، نہ کہ استاد کا مقام۔

اساتذہ کا ادب کرنے میں یہ درجہ بندی طالبِ علم کے لیے نہایت مُضر، اور اس کے علم سے محرومی کا باعث ہوسکتی ہے، چنانچہ ہمارے اکابرین نے اس بات کی طرف طلبہ کو خصوصی توجہ دلائی ہے کہ وہ مشہور وغیر مشہور ہر طرح کے اساتذہ سے استفادہ کریں، اور ان کا ادب واحترام کریں۔ بلکہ بقولِ امام غزالیؒ (ت: 505ھ) صرف مشہور استاد سے چمٹ جانا اور غیر مشہور استاد سے استفادہ نہ کرنا تکبر اور بڑی حماقت و بیوقوفی ہے کہ اس سے طالبِ علم اپنے آپ کو علم کی وافر مقدار سے محروم کر دیتا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

فلا ينبغي لطالب العلم أن يتكبر على المعلم ومن تكبره على المعلم أن يستنكف عن الاستفادة إلا من المرموقين المشهورين وهو عين الحماقة۔(۵)

ترجمہ: ''طالبِ علم کے لیے استاد پر تکبر کرنا صحیح نہیں، اور استاد پر تکبر کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ صرف مشہور ومعروف اساتذہ سے استفادہ کرے، حالانکہ یہ پرلے درجہ کی حماقت ہے۔''

اور علامہ بدرالدین ابن جماعہؒ (ت: 733ھ) رقم طراز ہیں:

وليحذر من التقييد بالمشهورين وترك الأخذ عن الخاملين۔(۶)

ترجمہ: ''طالبِ علم کو چاہیے کہ مشہور اساتذہ سے چمٹے رہنے اور غیر مشہور اساتذہ سے ترکِ استفادہ سے بچے۔''

معلوم بات کو بھی شوق ورغبت سے سننا:

استاد کے احترام کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اس کی بات غور اور توجہ سے سنی جائے، اور بوقتِ درس پورا دھیان استاد اور اس کی تقریر کی طرف ہو۔ بسا اوقات استاد جو چیز پڑھا اور سمجھا رہا ہوتا ہے، طالب علم کو وہ پہلے سے ہی معلوم ہوتی ہے، لیکن اس کے باوجود ادب یہ ہے کہ اپنے چہرے یا عمل سے یہ بات ظاہر نہ ہونے دے کہ اس کو بیان کی جانے والی بات معلوم ہے، بلکہ شوق ورغبت سے اس طرح سنے، گویا کہ پہلے مرتبہ سن رہا ہے، اور یہی طرز ہمارے اکابرین رحمہم اللہ کا رہا ہے، چنانچہ مشہور ومعروف محدث وتابعی عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں:

إني لأسمع الحديث من الرجل وأنا أعلم به منه فأريه أني لا أحسن شيئا منه۔(۷)

ترجمہ: ''میں کسی آدمی سے کوئی حدیث سنتا ہوں، حالانکہ میں وہ حدیث اس سے زیادہ جانتا ہوں، پھر بھی میں اس پر اس طرح ظاہر کرتا ہوں، گویا کہ میں اس حدیث میں کچھ نہیں جانتا۔''

اسی طرح ان کا ایک دوسرا قول ہے:

إن الرجل ليحدثني بالحديث، فأنصت له كأني لم أسمعه، وقد سمعته قبل أن يولد۔ (۸)

ترجمہ: ''کوئی آدمی مجھے حدیث سناتا ہے تو میں غور سے سنتا ہوں، گویا کہ میں نے پہلے کبھی نہ سنی ہو، حالانکہ میں وہ حدیث اس شخص کی پیدائش سے بھی پہلے سن چکا ہوتا ہوں۔''

اور علامہ ابن جماعہ اس بارے رقم طراز ہیں:

إذا سمع الشيخ يذكر حكمًا في مسألة أو فائدة مستغربة أو يحكي حكاية أو ينشد شعرًا وهو يحفظ ذلک أصغى إليه إصغاء مستفيد له في الحال متعطش إليه فرح به كأنه لم يسمعه قط۔ (۹)

ترجمہ: ''جب طالب علم اپنے استاد کو سنے کہ وہ کسی مسئلہ کا حکم ذکر کر رہا ہو، یا کوئی انوکھا فائدہ یا قصہ بیان کر رہا ہو، یا شعر کہہ رہا ہو، اور طالب علم کو وہ پہلے سے یاد ہو تو بھی وہ اس سے استفادہ کرنے والے کی طرح غور سے سنے، اس کی طرف علم کا پیاسا ہو، اور اس پر اس طرح خوش ہو، گویا کہ پہلے وہ بات کبھی نہیں سنی۔''

دورانِ درس استاد کی طرف کامل توجہ:

استاد کے آداب میں ایک اہم ادب جس میں طلبائے کرام عموماً کوتاہی کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ درس گاہ میں استاد کی موجودگی کے وقت اور بالخصوص دورانِ درس طالب علم کو چاہیے کہ وہ استحضارِ ذہن کے ساتھ صرف استاد کی طرف متوجہ ہو، ادھر ادھر نہ دیکھے، اگر کلاس اور درسگاہ میں کوئی اجنبی یا استاد کا مہمان اور جاننے والا داخل ہو، یا کوئی پرندہ اندر آجائے یا کوئی اور انوکھی بات ہو تو بھی وہ اس کی طرف التفات نہ کرے، بلکہ مکمل یکسوئی سے استاد کی جانب متوجہ رہے۔ اس سلسلے میں یہ کمی دیکھی گئی ہے کہ ایک طرف استاد پڑھا رہا ہوتا ہے، دوسری جانب اگر کوئی طالب علم تاخیر سے آتا ہے، یا کسی وجہ سے درسگاہ کا دروازہ کھلتا ہے تو متعدد شاگرد استاد کے درس وتقریر کو چھوڑ کر اس طرف دیکھنے لگتے ہیں، حالانکہ ہمارے اکابرین کا یہ حال ہوتا تھا کہ جب وہ استاد کی مجلس اور درس میں شریک ہوتے اور ان کے پاس کسی حاکم کا گزر ہوتا تب بھی وہ اس کی طرف نظرِ التفات نہ کرتے، چنانچہ مشہور محدث ابوعاصل النبیل فرماتے ہیں:

كنا عند ابن عون وهو يحدث، فمر بنا إبراهيم بن عبد الله بن حسن في موكبه، وهو إذ ذاک يدعى إماما، بعد قتل أخيه محمد، فما جسر أحد أن يلتفت فينظر إليه، فضلا عن أن

يقوم هيبة لابن عون۔ (۱۰)

ترجمہ: ہم عبداللہ بن عون کے پاس تھے، وہ حدیث بیان فرمارہے تھے، تو ابراہیم بن عبداللہ بن حسن اپنی سواری میں ہمارے پاس سے گزرا، اس کے بھائی محمد کے قتل کے بعد اس کو امام کہا جاتا تھا، ہم میں سے کسی ایک نے بھی اس کو دیکھنے کے لیے اس کی طرف التفات کرنے کی جسارت نہیں کی، چہ جائے کہ اس کے لیے کوئی کھڑا ہوتا، اور یہ ابن عون کی ہیبت و رعب کی وجہ سے تھا۔

اس سلسلے میں علامہ ابن جماعہؒ لکھتے ہیں:

فلا ينبغي أن ينظر إلا إليه و لا يضطرب لضجة يسمعها أو يلتفت إليها و لاسيما عند بحث له۔ (۱۱)

ترجمہ: ''طالب علم کو چاہیے کہ وہ صرف استاد ہی کو دیکھے، اور کسی شور کو سن کر مضطرب وفکر مند نہ ہو، اور نہ اس کی طرف متوجہ ہو، خاص طور پر استاد کے دورانِ بحث۔''

استاد کو پکارنے کا طریقہ:

استاد کے ادب میں یہ بھی شامل ہے کہ استاد کے سامنے طرزِ تخاطب اور بات کرنے کا انداز درست ہو، اس طرح باتیں نہ کرے جس طرح اپنے ساتھیوں اور ہم عمر افراد سے گفتگو کی جاتی ہے، اور''تم'' وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کرنے سے گریز کرے، اس کے بجائے آپ، استاد جی وغیرہ احترام والے لفظ ذکر کرے، اگر چہ استاد عمر کے لحاظ سے شاگرد سے زیادہ بڑا نہ ہو، جیسا کہ علامہ ابن جماعہ فرماتے ہیں:

وينبغي أن لا يخاطب شيخه بتاء الخطاب و كافه, و لا يناديه مِنْ بُعْدٍ بل يقول: يا سيدي و يا أستاذي۔ (۱۲)

ترجمہ: ''اور اسے چاہیے کہ وہ اپنے شیخ و استاد کو مخاطب کی تاء اور کاف (عربی میں واحد مخاطب کے لیے تاء اور کاف استعمال کیے جاتے ہیں) کے ذریعے نہ مخاطب ہو، اور اس کو دور سے آواز دے کر نہ بلائے، بلکہ یا سیدی اور یا استادی کہے۔''

اساتذہ کی ڈانٹ پر شاگرد کا طرزِ عمل:

بسا اوقات طالبِ علم کی کسی کوتاہی کی وجہ سے استاد اس کو ڈانٹتا ہے، اور سخت الفاظ استعمال کرتا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے استاد کی طرف سے شاگرد کو ڈانٹ پڑے، اگر چہ حقیقت میں اس کی غلطی نہ ہو، تو ایسی

صورت میں بھی استاد کے ادب کا تقاضا یہ طالبِ علم صبر سے کام لے، استاد سے ذرہ برابر بھی متنفر نہ ہو، اور نہ یہ بات دل میں لے کر بیٹھے، بلکہ خود آگے بڑھ کر عفو ودر گذر کا خواہاں ہو، اور استاد سے معذرت کرے، چنانچہ امام نوویؒ شرح المہذب کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

وينبغي أن يصبر على جفوة شيخه وسوء خلقه ولا يصده ذلك عن ملازمته واعتقاد كماله ويتأول لافعاله التي ظاهرها الفساد تأويلات صحيحة ۔ ۔ ۔ وإذا جفاه الشيخ ابتدأ هو بالاعتذار وأظهر أن الذنب له والعتب عليه فذلك أنفع له دينا ودنيا۔ (۱۳)

یعنی طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنے شیخ واستاد کے کی سختی وبد خلقی پر صبر کرے، اور یہ بات اس کو اپنے استاد کے پاس پابندی سے جانے اور ان کے کامل ہونے پر یقین رکھنے سے نہ روکے، اور اس کے ان افعال کی صحیح تاویل کرے جو بظاہر فاسد لگ رہے ہوں۔۔۔ اور جب استاد اس پر سختی کرے تو وہ خود آگے بڑھ کر معذرت کتے، اور اس بات کا اظہار کرے کہ قصور اسی کا ہی ہے، اور وہی سرزنش کا مستحق ہے، پس یہ اس کے لیے دین ودنیا کے اعتبار سے زیادہ نافع ہوگا۔

استاد کی جگہ پر بیٹھنے سے اجتناب کرنا:

استاد کے آداب میں سے ایک اہم ادب یہ بھی ہے کہ طالب علم استاد کی جگہ پر نہ بیٹھے، لہٰذا اگر استاد کرسی استعمال کرتا ہو، یا مصلی وغیرہ پر بیٹھتا ہو تو استاد کی عدم موجودگی میں بھی شاگرد اس جگہ نہ بیٹھے، اور نہ وہاں پاؤں وغیرہ رکھے۔ چنانچہ تذکرۃ السامع میں علامہ ابن جماعہ نے ذکر کیا ہے:

ومن تعظيم الشيخ أن لا يجلس إلى جانبه ولا على مصلاه أو وسادته۔ (۱۴)

ترجمہ: اور استاد کی تعظیم واحترام میں یہ بھی داخل ہے کہ شاگرد اس کے پہلو میں نہ بیٹھے اور نہ اس کے مصلے اور تکیہ پر بیٹھے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ طالب علم کے لیے اپنے اساتذہ کا ادب اور احترام کرنا نہایت ضروری، ان کی بے ادبی وبے توقیری نہایت مُضر ہے، اگرچہ بظاہر ابتداء میں نقصان ظاہر نہ ہو، لیکن انجامِ کار صحیح علم کے حصول سے محرومی ہوتی ہے، اور علم کی نشر واشاعت کی توفیق بھی نہیں ملتی۔ اس سلسلے میں طالب علم کے لیے اپنے اکابرین کی ایسی کتب کا مطالعہ مفید رہے گا جو اس موضوع پر لکھی گئی ہیں، خصوصاً علامہ برہان الدین زرنوجیؒ کی کتاب تعلیم المتعلم اور علامہ بدر الدین ابن جماعہؒ کی کتاب تذکرۃ السامع والمتکلم نہایت مفید ہیں۔

حواشی وحوالہ جات:

(۱) تاریخ بغداد للخطیب البغدادي، (136/9)، باب السین، رقم الترجمة: 4750، الناشر: دار الکتب العلمیة-بیروت، ط:1417ھ

(۲) منهاج المتعلم للغزالي، (ص:78)، الناشر: دار التقوی-دمشق، ط:1431ھ-2010م

(۳) بریقة محمودیة في شرح طریقة محمدیة للخادمي، (258/3)، الفصل الثالث، الناشر: مطبعة الحلبي

(۴) الجامع لاخلاق الراوي وآداب السامع للخطیب البغدادي، (182/1)، باب تعظیم المحدث وتبجیله، الناشر: مکتبة المعارف-الریاض

(۵) احیاء علوم الدین للغزالي، (50/1)، کتاب العلم، الباب الخامس في آداب المتعلم والمعلم، الناشر: دار المعرفة-بیروت

(۶) تذکرة السامع والمتکلم لابن جماعة، (ص:96)، الباب الثالث، الفصل الثانی، الناشر: دار البشائر الاسلامیة-بیروت، ط:1433ھ-2012م

(۷) تاریخ دمشق لابن عساکر، (401/40)، ترجمة: عطاء بن ابی رباح، رقم: 4705، الناشر: دار الفکر-بیروت، ط:1415-1995م

(۸) سیر اعلام النبلاء للذهبی، (86/5)، ترجمة عطاء بن ابی رباح، الناشر: مؤسسة الرسالة-بیروت، ط:1405ھ-1985م

(۹) تذکرة السامع والمتکلم لابن جماعة، (ص: 107)، الفصل الثاني في آدابه مع شیخه

(۱۰) الجامع لاخلاق الراوي آداب السامع للخطیب البغدادي، (185/1)، هیبة الطالب للمحدث، الناشر: مکتبة المعارف-الریاض

(۱۱) تذکرة السامع والمتکلم لابن جماعة، (ص:103)، الفصل الثاني في آدابه مع شیخه

(۱۲) تذکرة السامع والمتکلم لابن جماعة، (ص:99)

(۱۳) المجموع شرح المهذب للنووي، (37/1)، الناشر: دار الفکر، بیروت

(۱۴) تذکرة السامع والمتکلم لابن جماعة، (ص:105)، الفصل الثاني في آدابه مع شیخه

سوات واقعہ: لمحۂ فکریہ، احتساب اور اصلاح کی حکمتِ عملی

مولانا مفتی سراج الحسن

سوات کے ایک دینی مدرسے میں پیش آنے والا المناک واقعہ ہم سب کے لیے نہایت افسوسناک اور باعثِ شرمندگی ہے۔ ایک معصوم طالب علم کی جان چلی گئی، اور ایک فرد کی کوتاہی نے پورے مدارس کے نظامِ تعلیم کو سوالیہ نشان کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا۔ اس نے نہ صرف قلوب واذہان کو مجروح کیا بلکہ دینی مدارس کے عظیم تعلیمی وتربیتی نظام کو بھی اجتماعی طور پر متاثر کیا ہے۔ یہ ایک ایسا سانحہ ہے جو صرف مذمت یا غم کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ بیداری، خود احتسابی اور عملی اصلاح کا پیغام بھی دے رہا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم جذبات سے آگے بڑھ کر تدبّر، حکمت اور فیصلے کی راہ اپنائیں، اور جذباتی ردِعمل کی بجائے دانش مندی، ہمدردی اور بصیرت سے کام لیتے ہوئے ایسے اقدامات کریں جو آئندہ ان جیسے واقعات کی راہ بند کرسکیں۔ اسی پس منظر میں بندہ کے ذہن میں کچھ اصلاحی تجاویز ہیں، جو آپ حضرات کے سامنے پیشِ خدمت ہیں۔ امید ہے کہ اگر ہم سب نے ان پر عمل کیا اور ایک مشترکہ شعور کے ساتھ آگے بڑھے، تو ان شاء اللہ ہمیں آئندہ اس طرح کے تلخ واقعات سے نجات مل سکے گی۔ کیونکہ آج کا ہر واقعہ لمحوں میں وائرل ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت میں احتیاط، حکمتِ عملی اور شفاف رویہ اپنانا از حد ضروری ہے، تاکہ ہماری برسوں کی محنت چند لمحوں میں ضائع نہ ہو۔ چند فوری اصلاحی تجاویز:

1۔ اساتذہ کی تربیت: بالخصوص حفظ کے اساتذہ کے لیے وقتاً فوقتاً مختلف عنوانات پر تربیتی ورکشاپس کا انعقاد کیا جائے، تاکہ انہیں شفقت، حکمت، بچوں کی نفسیات، اور نظم وضبط کے شرعی اصولوں کی روشنی میں رہنمائی فراہم کی جاسکے۔ الحمدللہ ہمارے درمیان وفاق المدارس کے رہنماؤں کی صورت میں معاملہ فہم، مدبر، جید، تجربہ کار اور اعلیٰ پائے کے منتظم شخصیات ومربیین موجود ہیں۔ کیوں نہ ہم ان کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں؟ اور ان کی سرپرستی میں حفظ وتجوید پڑھانے والے اساتذہ کے لیے تربیتی نشستوں اور عملی ورکشاپس کا سلسلہ قائم کریں۔

2۔ تحریری ضوابط کا اہتمام: ہر مدرسے میں ایک واضح تحریری ضابطۂ اخلاق ہونا چاہیے، جس میں سزا، تشدد، اور طلبہ کے تحفظ سے متعلق پالیسی درج ہو، تاکہ ہر استاد اور منتظم اپنی ذمہ داریوں کا ادراک رکھتے ہوئے تربیت و تادیب کے دائرے میں کام کرے۔

3.تشدد پر مکمل پابندی: ادارے کی سطح پر واضح اور دوٹوک انداز میں جسمانی و ذہنی تشدد پر مکمل پابندی کا اعلان کیا جائے، اور اس پر مکمل عمل درآمد یقینی بنایا جائے۔ساتھ ہی یہ بات اساتذہ کے دل و دماغ میں راسخ کرنا ضروری ہے کہ حفظِ قرآن کریم ایک عظیم سعادت ہے،لیکن اس مقدس عمل کی انجام دہی کے دوران اگر طلبہ پر غیر ضروری سختی، مار پیٹ یا تحقیر آمیز رویہ اختیار کیا جائے تو یہ عمل باعثِ رحمت کے بجائے باعثِ زحمت بن جاتا ہے۔مار پیٹ اور جسمانی سزا نہ صرف بچوں کے لیے ذہنی اور جذباتی نقصان کا باعث بنتی ہے بلکہ قرآن سے ان کی قلبی وابستگی کو بھی مجروح کر دیتی ہے۔لہٰذا نہایت ضروری ہے کہ ہم اساتذہ اور تربیت دینے والوں کو اس اہم مسئلے پر آگاہ کریں کہ اسلامی تعلیمات اور تربیتی اصولوں کی روشنی میں بچوں کو کس انداز سے تعلیم دی جائے تا کہ ان کی شخصیت سنورے، بگڑے نہیں۔اساتذہ کو بچوں کو سزا دینے کے معاشرتی،نفسیاتی اور قانونی اثرات سے بھی باخبر کیا جائے۔

4.نگرانی واحتسابی نظام: ہر ادارے میں ایک اندرونی شکایات کمیٹی قائم ہو، جو طلبہ، والدین یا عملے کی شکایات کا بروقت،منصفانہ اور خاموشی سے جائزہ لے اور مناسب کارروائی کرے۔

5.تحریری ضوابط برائے تادیب وتربیت: وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی جانب سے طلبہ کی تادیب و اصلاح سے متعلق ایک واضح ،تحریری ضابطۂ اخلاق مرتب کیا جائے،جس میں جسمانی سزا اور تربیتی تدابیر سے متعلق شرعی و اخلاقی حدود کا تعین کیا گیا ہو۔یہ ضابطہ تمام مدارس کو باقاعدہ پرنٹ کی شکل میں ارسال کیا جائے تا کہ ملک بھر میں یکساں تربیتی ماحول قائم ہو سکے۔یعنی ایسا واضح تحریری ضابطہ اخلاق مرتب کیا جائے جس میں:

طلبہ کے ممکنہ اخلاقی ،تعلیمی یا نظمی خلاف ورزیوں کی درجہ بندی کی جائے اور ہر جرم کی مناسبت سے کوئی تربیتی ،اصلاحی اور غیر جسمانی سزا متعین ہو جائے۔

6.وفاق المدارس کے قواعد وضوابط کی پابندی: تمام مدارس، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے جاری کردہ قوانین، رہنما اصولوں اور ہدایات پر پوری سنجیدگی سے عمل کریں،تا کہ نظامِ تعلیم میں یکسانیت،شفافیت اور تحفظ برقرار رہے۔اس کو عملی شکل دینے کے لیے پہلے مرحلے میں تمام حفظ مسئولین کے لیے ایک اجلاس منعقد کیا جائے،جس میں مذکورہ ضابطۂ اخلاق ان کے حوالے کیا جائے، اور ان پر لازم ہو کہ وہ ہر ماہ اپنے مدرسے میں سزا سے متعلق صورتِ حال کا جائزہ لیں، اور بذریعہ واٹس ایپ صوبائی ناظم کو رپورٹ ارسال کریں۔بالخصوص اُن مدارس میں خصوصی توجہ دی جائے جہاں سابقہ تجربات یا رپورٹس میں اس حوالے سے تشویش پائی جاتی ہو۔(اگرچہ اکثریتی مدارس الحمدللہ بہتر معیار پر قائم ہیں) (باقی صفحہ نمبر:۵۱)

وقف املاک قانون: مسجدوں کی دیواروں پر ریاستی دستک

جناب نعیم اشرف

2020ء میں جب تحریکِ انصاف کی حکومت نے ''اسلام آباد کیپیٹل ٹیریٹری وقف املاک ایکٹ'' منظور کرایا تو اس کے لیے ریاستِ مدینہ کا حوالہ پیش کیا گیا۔ کہا گیا کہ یہ قانون نہ صرف وقف املاک کی شفافیت کے لیے ضروری ہے بلکہ بین الاقوامی دباؤ، بالخصوص FATF کی شرائط پوری کرنے کے لیے بھی ناگزیر ہے۔ حکومت نے دعویٰ کیا کہ اس قانون کا مقصد کسی دینی ادارے پر قدغن لگانا نہیں بلکہ غیر قانونی قابضین کے خلاف مؤثر کارروائی کو ممکن بنانا ہے۔ مگر اُس وقت بھی مذہبی حلقوں، خاص طور پر دیوبندی مکتبِ فکر کے جید علما نے اس قانون پر گہری تشویش کا اظہار کیا تھا۔ علامہ زاہد الراشدی جیسے صاحبِ بصیرت علما نے اس قانون کو عالمی استعمار کے ایجنڈے کا حصہ قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ یہ قانون دینی خودمختاری پر خاموش مگر خطرناک حملہ ہے۔ ان کا مؤقف تھا کہ بظاہر یہ بل انتظامی اور مالیاتی نظم وضبط کے لیے ہے، مگر وقت گزرنے کے ساتھ یہی قانون دینی اداروں کی خودمختاری کو نگل جائے گا۔ وقت نے ان خدشات کو حرف بہ حرف درست ثابت کیا۔

آج، اگست 2025 میں جب چیئرمین سی ڈی اے نے اعلان کیا کہ وفاقی وزیر داخلہ محسن نقوی کی ہدایت پر اسلام آباد کی غیر قانونی مساجد کے خلاف کارروائی کا آغاز کیا جا رہا ہے، تو اسی قانون کو بنیاد بنایا گیا۔ اعلان کے مطابق، وفاقی دارالحکومت کی 50 سے زائد مساجد کو نوٹسز جاری کیے جا چکے ہیں، جن میں فیصل مسجد جیسی قومی علامت بھی شامل ہے۔ سب سے تشویش ناک بات یہ ہے کہ ان نوٹسز میں شامل 95 فیصد مساجد دیوبندی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتی ہیں، جب کہ کسی ایک امام بارگاہ یا دوسرے مسلک کی بڑی عبادت گاہ کو نوٹس نہیں دیا گیا۔ سوال یہ نہیں کہ کس نے قبضہ کیا، بلکہ سوال یہ ہے کہ کارروائی کا دائرہ کیوں یک طرفہ ہے؟ اگر واقعی معاملہ صرف غیر قانونی قبضوں کا ہے تو پھر سب کے خلاف بلا امتیاز ایک ہی اصول کے تحت کارروائی ہونی چاہیے۔ بصورت دیگر یہ اقدام مذہبی امتیاز اور ریاستی جانبداری کا تاثر دیتا ہے، جو ایک حساس اسلامی جمہوریہ میں خطرناک حد تک نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ اب ایک بنیادی سوال جنم لیتا ہے: کیا واقعی یہ تمام مساجد ناجائز زمین پر قائم ہیں؟ اور اگر ہیں بھی، تو کیا کئی دہائیوں سے عبادت کے لیے استعمال ہونے والی جگہ کو صرف کاغذات کی بنیاد پر 'قابض' قرار دے دینا عقلمندی ہے؟ کیا

اذانیں، جمعہ کے خطبے، قرآن کی تعلیم، بچوں کی دینی تربیت اور ہزاروں نمازیوں کا ان مساجد سے رشتہ کسی ''این او سی'' یا پلاٹ نمبر سے کم تر ہے؟ کیا بہتر نہ ہوتا کہ ریاست ان مساجد کو ریگولرائز کرنے کا کوئی لائحہ عمل بناتی یا متبادل زمین فراہم کرتی؟ لیکن بظاہر ریاست نے طاقت کا راستہ چُنا ہے، نوٹس، فورس اور بلڈوزر۔

یہاں مسئلہ صرف قانونی کارروائی یا قبضہ مافیا کی بیخ کنی کا نہیں، مسئلہ اس سوچ کا ہے جو ایک عرصے سے ریاست و مذہب کے رشتے کو" نئے اصولوں" پر ترتیب دینے کی کوشش کر رہی ہے۔ یہ نئے اصول دراصل وہ عالمی خطوط ہیں جن کے تحت مذہب کو ذاتی دائرے تک محدود کر کے ریاستی کنٹرول میں لانے کی مہم جاری ہے۔ اور دینی مدارس و مساجد جیسے ادارے اس ایجنڈے کی راہ میں بڑی رکاوٹ سمجھے جاتے ہیں۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو تحریک انصاف، مسلم لیگ ن اور پیپلز پارٹی تینوں بڑی جماعتیں اس قانون سازی اور اس کے اطلاق میں یکساں شریک رہی ہیں۔ فرق صرف اسلوب، زبان اور وقت کا ہے۔ ایک جماعت نے اسے عالمی مجبوری کہا، دوسری نے اصلاحات کا نام دیا، اور تیسری خاموشی کے پردے میں اسے لاگو ہوتا دیکھتی رہی۔ قانون وہی ہے، ہدف بھی وہی ہے، صرف چہرے اور نعرے بدلتے گئے۔ قانونی ماہرین بھی اس قانون پر کئی سوالات اٹھا چکے ہیں۔

آئینِ پاکستان مذہبی آزادی، عبادت کے حق اور دینی تعلیم کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔ کسی مسجد کو محض کاغذی بنیاد پر ''غیر قانونی'' قرار دینا نہ صرف آئینی روح کے خلاف ہے بلکہ معاشرتی عدمِ اعتماد کو جنم دینے والا عمل بھی ہے۔ اگر قانون شفافیت اور انصاف کے نام پر بنایا گیا ہے تو پھر اس کا اطلاق تمام مسالک، مکاتب فکر اور اداروں پر یکساں کیوں نہیں ہو رہا؟ یہ موقع ہے کہ ریاست خود پر نظر ڈالے۔ مساجد اور مدارس اس ملک کے نظریاتی تشخص، تاریخی تسلسل اور روحانی پہچان کا حصہ ہیں۔ ان کے ساتھ سلوک ایک فریق یا مخالف کی طرح نہیں، بلکہ شراکت دار کے طور پر ہونا چاہیے۔ اگر مسئلہ زمین یا منظوری کا ہے، تو اس کے حل کے لیے ایسا جامع نظام تشکیل دیا جائے جس میں مشاورت، رواداری اور آئینی دائرہ کار کی مکمل پاسداری ہو۔ حکومت، دینی قیادت، وکلا اور سول سوسائٹی کو مل بیٹھ کر ایک ایسا فریم ورک بنانا ہوگا جو انتظامی شفافیت، قانونی تقاضے اور مذہبی خودمختاری تینوں پہلوؤں کا توازن قائم رکھ سکے۔ ورنہ اگر یہی روش برقرار رہی، تو ممکن ہے کہ کل کو ملک بھر کی ہزاروں مساجد اور مدارس بھی اسی '' کالے قانون'' کی زد میں آجائیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ مسجد صرف ایک عمارت نہیں، یہ ایک زندہ روح، ایک اجتماعی شعور اور ایک نظریاتی قلعہ ہے۔ اس کی اذان صرف نماز کی پکار نہیں، بسا اوقات یہ بیداری کی گھنٹی بھی بن جاتی ہے۔ اور جب مسجدوں کی دیواروں پر ریاست بار بار نوٹس چسپاں کرے، تو پھر یہ دیواریں خاموش نہیں رہتیں، وہ سوال کرتی ہیں، للکارتی ہیں، اور کبھی کبھی انقلاب کی پہلی آواز بن جاتی ہیں۔

تبصرۂ کتب

مکاتیب شریفہ

مکتوبات خواجہ خواجگان حضرت مولانا خان محمد رحمۃ اللہ علیہ۔ مرتب: ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا۔ صفحات: دوجلد ۱۲۴۵۔ طباعت: عمدہ۔ قیمت: ۲۵۰۰ روپے۔ ملنے کا پتا: خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ کندیاں ضلع میانوالی۔
رابطہ نمبر 03006091121

حضرت اقدس مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ آسمان ولایت کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ آپ نے اپنی تمام عمر مخلوق خدا کی تربیت، اسے خالق کونین سے جوڑنے اور ایمان واسلام کی آبیاری کرنے میں گزاری۔ آپ نے اپنی توجہات، صحبت، ارشادات وفرمودات اور مکتوبات کے ذریعے ایک بہت بڑے طبقے کو فیض یاب فرمایا۔

زیر نظر مجموعہ ''مکاتیب شریفہ'' حضرت اقدس خواجہ خان محمد صاحب نور اللہ مرقدہ کے بافیض مکتوبات کا مجموعہ ہے، جسے گرامی قدر ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا صاحب زید لطفہ نے مرتب و مدون کیا ہے۔ ساڑھے بارہ سو صفحات پر محیط مکتوبات کا یہ مجموعہ تاثیر و تاثر میں اپنی مثال آپ ہے۔ چونکہ آپ کے مکتوبات الیہان میں امت کا ہر طبقہ شامل ہے، اس لیے ان میں جہاں معرفتِ حق کے اسباق ہیں وہیں آپ کی نجی و خانقاہی زندگی کی تاریخ، سیاسیات وسماجیات، تعلق خاطر اور تربیت و سلوک کے بہت سے رنگ جمع ہو گئے ہیں۔ چناں چہ ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا صاحب اپنے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

''ان مکتوبات شریف میں جہاں اہل ایمان کے عقائد واعمال کی اصلاح کی فکر و مساعی، مسترشدین و طالبین اور مریدین وسالکین کی روحانی تعلیم و تربیت، تزکیہ نفس و محبت الٰہی کی تشویق و ترغیب، مذہبی و دینی طبقوں کی کامرانی و سرفرازی کی تڑپ، دینی وسیاسی جماعتوں کے اتحاد کی آرزو، ملکی حوادث وجنگوں پر اظہار افسوس، مملکت عزیز پاکستان کی سلامتی و بقا اور خوشحالی وامن کے لیے دعائیں و نیک تمنائیں، اور خدا ترس افراد اور اپنے مخلص ترین سرکاری اعلیٰ حکام کے ذریعے غریب وستم رسیدہ افراد کی امداد و خلاصی کے سینکڑوں واقعات درج ہیں۔ وہاں خواجہ خواجگان نور اللہ مرقدہ کی اپنی مبارک زندگی و خانگی امور کے مختلف پہلوؤں اور خوشی و غمی کے لمحات کی روداد، صاحبزادگان گرامی کی آموزش و پرورش، طالبان حق وسالکین طریقت کی تعلیم و تربیت، دوست احباب اور خدّام ومتوسین پر شفقت وعنایت، مشائخ وعلماء کے ساتھ روابط اور عوام وخواص سے معاملات کی خوب صورت عکاسی بھی ہے۔

''مکاتیبِ شریفہ'' کی پہلی جلد میں حضرت خواجہ خواجگان نور اللہ مرقدہ کے ۱۰۳۶ مکتوبات ہیں۔ اس جلد کا اختتام اراکین مجلس عاملہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نام دو خطوں سے ہوتا ہے۔

دوسری جلد پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں حضرت اقدس مولانا خواجہ ابوالسعد احمد خان قدس سرہ کے

مکتوبات ہیں۔ دوسرے حصے میں حضرت مولانا خواجہ محمد عبداللہ لدھیانوی قدس سرہ کے مکتوبات، تیسرے حصے میں خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان قدس سرہ کے مکتوبات جو کتاب کے صفحہ ۵۳ سے ۴۱۸ تک محیط ہیں۔ حصہ چہارم میں حضرت مولانا خواجہ محمد عبداللہ لدھیانوی قدس سرہ کے مکتوبات ہیں۔ حصہ پنجم میں پھر آخرِ کتاب تک حضرت خواجہ خان محمد قدس سرہ کے مکتوبات شامل ہیں۔

دوسری جلد میں شامل حضرت والا رحمہ اللہ کے مکتوبات کا شمار نمبر نہیں لکھا گیا، اس لیے اندازہ نہیں کہ یہ کتنے ہیں، البتہ سینکڑوں میں تو یقیناً ہیں۔ ویسے دوسری جلد کا اشاریہ بھی مرتب ہو جاتا تو بہت خوب ہوتا۔

پہلی جلد کے آخر میں مکتوب الیہان کے مکمل نام اور پتے بھی دیے گئے ہیں اور آخر میں اشخاص، کتب و رسائل، اماکن اور مضامین کے اشارے شامل ہیں۔ ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا صاحب زید لطفہ کے مطابق مکتوبات شریف کی مزید تلاش، جمع آوری اور ترتیب و تدوین کا سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تیسری جلد بھی منظر عام پر آسکتی ہے۔ اس مجموعہ کے آغاز میں زیب سجادہ کندیاں شریف حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد صاحب مدظلہم کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ شامل ہے، جو گویا کلیدِ کتاب ہے۔ ''خانقاہ کندیاں شریف'' پاکستان کی ایسی خانقاہ ہے جہاں سے سلوک وتصوف پر اہم اور امہات کتب کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ راقم کے خیال میں سلسلۂ نقشبندیہ کی اکثر کتب خانقاہ کندیاں شریف سے چھپ چکی ہیں۔ یہ کتب تحقیق و تدوین کے اعلیٰ معیار پر بھی پورا اترتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان ''مکاتیب شریفہ'' سے اہل تعلق علماء ومشائخ، طلبہ کرام اور عامۃ الناس بھرپور فیض اٹھائیں۔

مسکۃ الحواشی شرح اصول الشاشی

تالیف: مولانا حبیب الدین چترالی۔ صفحات: ۳۲۰۔ طباعت: مناسب۔ قیمت: لکھی نہیں۔ ملنے کا پتا: مکتبہ فاروق اعظم، قصہ خوانی بازار محلہ جنگی پشاور۔ رابطہ نمبر: 03459597693

اصول الشاسی ہمارے مدارس دینیہ کے نصاب میں شامل اصول فقہ کی نہایت اہم اور بنیادی کتاب ہے۔ اصول فقہ ایک دقیق فن ہے جس پر ماہرانہ عبور ایک طویل ممارست کے بعد ہی ممکن ہوتا ہے۔ اصول الشاشی کی بہت سی شروحات لکھی جا چکی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ''مسکۃ الحواشی'' ہے۔ اس کتاب کے آغاز میں ایک مبسوط مقدمہ ہے جس میں اصول فقہ کے تاریخی پس منظر کا بیان ہے۔ اس میں اصول فقہ کی ابتدائی، وسطانی اور انتہائی؛ تینوں زمانوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ شرح کتاب میں قیل وقال کے الجھاؤ سے بچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ معنی اور مقصود کو سمجھانے کے لیے آسان تعبیر اختیار کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ مجموعی طور پر یہ شرح اساتذہ وطلبہ کے لیے مفید ہے۔ اس کی مدد سے سبق تیار کرنے اور اسے نہاں خانۂ دماغ میں اتارنے میں آسانی رہے گی۔